ماہنامہ
December 2024 دسمبر

صدائے شبلی
حیدرآباد

Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad
ISSN: 2581-9216

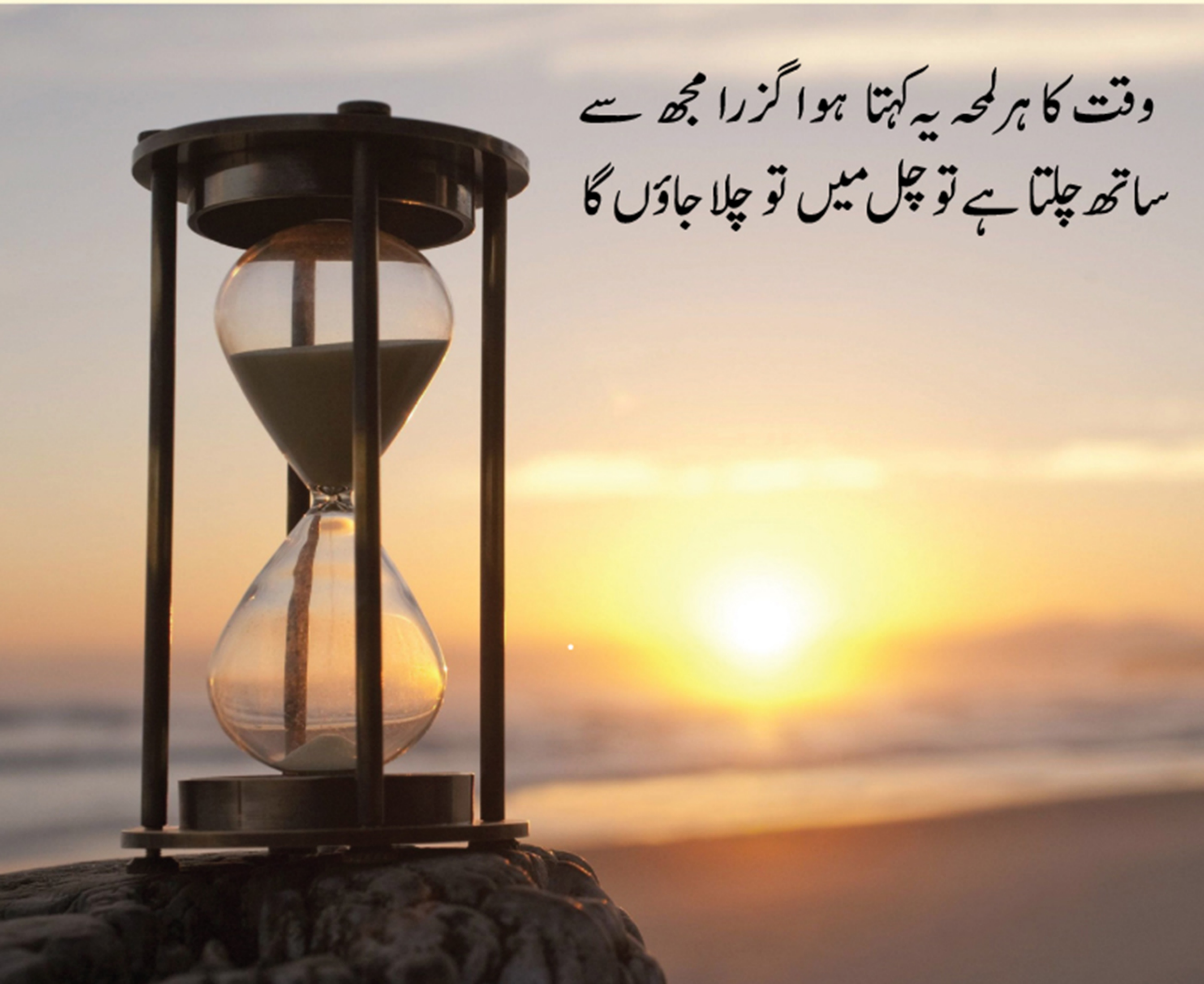

ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی
قیمت: -/20 روپے
www.shibliinternational.com

ماہنامہ حیدرآباد

صدائے شبلی

Monthly Hyderabad

SADA E SHIBLI

دسمبر Dec 2024 جلد: Vol: 7 شمارہ: Issue: 82

ISSN: 2581-9216

مدیر:

ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران:

ڈاکٹر عبد القدوس

ڈاکٹر سراج احمد انصاری

ابو ہریرہ یوسفی

قیمت فی شمارہ:	20/-
سالانہ:	220/-
رجسٹرڈ ڈاک:	350/-
بیرونی ممالک:	50/-امریکی ڈالر
خصوصی تعاون:	2000/-

SADA E SHIBLI

A/c: 1327102000023922

Ifsc: IBKL0001327

IDBI Bank: CHARMINAR HYD, T.S

Email: sadaeshibli@gmail.com

Mob: 9392533661 - 8317692718

ماہنامہ "صدائے شبلی" حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی ۔ پروفیسر مظفر علی شہہ میری

پروفیسر محسن عثمانی ندوی ۔ پروفیسر ابوالکلام

پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی ۔ ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی

مفتی محمد فاروق قاسمی ۔ مولانا ارشاد الحق مدنی

ڈاکٹر نادر المسدوسی ۔ الحاج سید عظمت اللہ بیابانی

مولانا محمد مساعد ہلال احیائی ۔ اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ ۔ محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق ۔ ڈاکٹر حمران احمد ۔ ڈاکٹر ناظم علی

ڈاکٹر مختار احمد فردین ۔ ڈاکٹر غوثیہ بانو

ڈاکٹر سید امام حبیب قادری ۔ ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی

ڈاکٹر سمیہ تمکین ۔ ڈاکٹر صالحہ صدیقی ۔ ڈاکٹر نوری خاتون

ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ ۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان

ڈاکٹر آصف لئیق ندوی ۔ ڈاکٹر مظفر علی ساجد ۔

مولانا عبد الوحید ندوی ۔ مولانا احمد نور عینی

ابو ہریرہ ایوبی ۔ محسن خان

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط و کتابت کا پتہ

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352,
B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Dabirpura Road, Purani Haveli,
Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	**اپنی بات**	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۵
۲	اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۶
۳	**مقامِ شہادت**	مولوی حبیب الرحمٰن	۷
۴	**نعت شریف**	سید جہانگیر بیابانی	۹
۵	تحریک آزادی کا منفرد کردار: ڈاکٹر مختار احمد انصاری	ڈاکٹر شاہد صدیقی علیگ	۱۰
۶	گہوارۂ قلب مومن میں اب جذبۂ ایماں سوتا ہے	پروفیسر ابوزاہد شاہ سید وحید اللہ حسینی	۱۲
۷	**غزل**	ڈاکٹر روبینہ شبنم	۱۴
۸	ستارے ''شام'' کے خونِ شفق میں ڈوب کر نکلے	ڈاکٹر محمد اعظم ندوی	۱۵
۹	**رحمن جامی**	محمد اشفاق راشد	۱۹
۱۰	**غزل**	سید نوید جعفری	۲۱
۱۱	بچوں میں ذہانت کا فروغ کیوں اور کیسے؟	فاروق طاہر	۲۲
۱۲	**غزل**	علی بابا درپن	۲۷
۱۳	**تعلیمات**	سید عظمت اللہ بیابانی	۲۸
۱۴	**نظم**	الیس فیضانی	۲۹
۱۵	پروفیسر شہپر رسول: شخصیت اور شاعری	معصوم مرادآبادی	۳۰
۱۶	پری ناز اور پرندے - ایک تنقیدی مطالعہ (چھٹی قسط)	ڈاکٹر ناظر حسین خان	۳۳
۱۷	تصور (پیکری نظم)	پروفیسر مظفر شہ میری	۳۸
۱۸	**غزل**	ڈاکٹر مقیم نادر جامعی	۳۸
۱۹	''بیویاں اور اولاد آنکھوں کی ٹھنڈک کا سبب''	الیس۔ ایم۔ عارف حسین	۳۹
۲۰	**غزل**	سید شاہ نواز ہاشمی	۴۰

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کے خصوصی معاونین

جناب **ابوسفیان اعظمی**، مقیم حال ممبئی

جناب **محمد یوسف** بن الحاج محمد منیر الدین عرف ولی مرحوم، حیدرآباد

مفتی **محمد فاروق قاسمی**، صدر علماء کونسل وجے واڑہ، آندھرا پردیش

الحاج **سید عظمت اللہ بیابانی**، وجے نگر کالونی، حیدرآباد

مولانا **منصور احمد قاسمی**، معین آباد، تلنگانہ

الحاج **رئیس احمد اقبال**، انجینئر صدر سہارا ویلفیئر سوسائٹی، حیدرآباد

الحاج **محمد زکریا انجینئر** (داماد استاذ الاساتذہ حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ)

ڈاکٹر **شہباز احمد**، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج چارمینار، حیدرآباد

مولانا **محمد عبدالقادر سعود**، نائس جوس سینٹر سکندرآباد، حیدرآباد

الحاج **محمد قمر الدین**، نبیل کالونی بارکس حیدرآباد

الحاج **محمد عبدالکریم**، صدر مسجد اشرف کریم کشن باغ، حیدرآباد

اپنی بات

وقت کا ہر لمحہ یہ کہتا ہوا گزرا مجھ سے

ساتھ چلنا ہے تو چل میں تو چلا جاؤں گا

ماہِ دسمبر سال کا آخری مہینہ ہوتا ہے، یہ ماہ گزرے ہوئے سال کا محاسبہ کرنے کی دعوت دیتا ہے اور مستقبل کے بڑے مقاصد کے لیے مستعد ہونے کی طرف گامزن کرتا ہے، بہت مشہور بات ہے کہ ماضی کے ناکام تجربہ اور کامیاب تجربہ سے مستقبل کے لیے پلاننگ اور منصوبہ بندی بے حد ضروری ہے؛ تاکہ ہم اپنے عزائم اور مقاصد میں کامیاب ہوں، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ماہ دسمبر کی آخری تاریخ کو نصف شب میں گزرے ہوئے پر خوشیاں منائی جاتی ہیں، نوجوان طبقہ رقص وسرود، آتش بازی اور گاڑیوں کی آوازوں سے ماحول کو دم بخود کر دیتا ہے، حالانکہ گزرے ہوئے سال پر خوشیاں منانا دانش مندی نہیں ہے۔

آج کے مسابقتی، مہنگائی اور خود غرضی کے دور میں ہم مسلمانوں پر دوہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم اس کائنات کے مقصد کو پہچانیں، علم و ہنر، سماجی، معاشی، معاشرتی، سیاسی اور حالات کے اعتبار سے دین و دنیا کے لحاظ سے شانہ بشانہ قدم بہ قدم چلنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہیں، اس کے لیے ہمیں وقت کی رفتار کے ساتھ چلنا ہوگا، کیوں کہ وقت کسی کا خیال نہیں رکھتا وہ تو چلا ہی جائے گا۔

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

چند روز قبل ہمارے ملک کے ایک ناقص سوچ رکھنے والے وزیر نے دستور ہند اور انسانیت کے خلاف بیان دیا، ہمارے ملک کی ایک اہم ریاست کیرلا اور اس کے ایک حلقہ پارلیمنٹ کے تمام اُن ووٹروں کو دہشت گرد قرار دیا جنہوں نے راہل گاندھی اور پرینکا گاندھی کو ووٹ دیا تھا، یہ غیر ذمہ دارانہ بیان پورے ملک کی فضا میں زہر گھولنے کا کام کر رہا ہے، محترم وزیر کو کچھ پتہ نہیں کہ زمانہ یکساں نہیں رہتا جس دن ہوا کا رُخ بدل گیا تو آپ کہیں کے نہیں رہ پائیں گے، اس طرح کے بیانات جو ملک کے سماجی تانے بانے کو توڑنے کا کام کرتے ہیں وہ کوئی بھی ہو آئین کو بالاتر رکھتے ہوئے اُنھیں سخت سے سخت سزا دینی چاہیے تاکہ کسی اور کو اِس طرح کی بیان بازی کرنے کی ہمت نہ ہو۔

ہمارے ملک کے سابقہ وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ چند دن قبل اِس جہان فانی سے کوچ کر گئے، ڈاکٹر منموہن سنگھ کی زندگی خاموش انقلاب کے ساتھ پیوستہ ہے، وہ علم، متانت سنجیدگی، اَدب کے مینار تھے، اُنہوں نے اُردو زبان وادب کا جہاں بھی موقع ملا بر مَلا اظہار کیا، اِدارہ ان کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرتا ہے، ان کے دور میں پورے ملک میں اُردو زبان وادب اور بالخصوص معاشی، اقتصادی ترقی ہوئی اور کئی جگہوں پر انہوں نے ملک کو بُحران سے نکالا۔ موجودہ حکومت دھیرے دھیرے اُردو زبان کو ختم کر رہی ہے اسے چاہیے کہ سابقہ حکومت سے سبق سیکھے، کیوں کہ روشن ماضی ہی سے مستقبل کو روشنی کر سکتے ہیں۔

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل کے زیر انتظام مسجد الٰہی کا تعمیری کام جاری ہے، ادارہ اپنے تمام معاونین کا شکریہ ادا کرتا ہے اور امید کرتا ہے کہ قارئین مابقیہ کاموں کی تکمیل کے لیے تعاون فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گے۔

گر خیر کی طلب ہے تو خیر کے اسباب بنا

پل بنا چاہ بنا مسجد وتالاب بنا

محمد حامد ہلال اعظمی

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

ایک دفعہ اقرع بنؓ حابس عرب کے ایک رئیس خدمت اقدس میں آئے، آپ ﷺ حضرت امام حسینؓ کا منہ چوم رہے تھے، عرض کی کہ میرے دس بچے ہیں، میں نے کبھی کسی کو بوسہ نہیں دیا، ارشاد فرمایا کہ "جو اوروں پر رحم نہیں کرتا، اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا" (یعنی خدا اس پر رحم نہیں کرتا) حسنین علیہما السلام سے بے انتہا محبت تھی، فرماتے تھے کہ میرے گلدستے ہیں، حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے تو فرماتے کہ میرے بچوں کو لانا، وہ صاحبزادوں کو لاتیں، آپ ﷺ ان کو سونگھتے اور سینہ سے لپٹاتے۔

ایک دفعہ مسجد میں خطبہ فرما رہے تھے، اتفاق سے حسینؓ سرخ کرتے پہنے ہوئے آئے، کم سنی کی وجہ سے ہر قدم پر لڑکھڑاتے جاتے تھے، آپ ﷺ ضبط نہ کر سکے، منبر سے اتر کر گود میں اٹھا لیا اور اپنے سامنے بٹھا لیا، پھر فرمایا خدا نے سچ کہا ہے، إِنَّمَآ أَمْوَٰلُكُمْ وَأَوْلَٰدُكُمْ فِتْنَةٌ.

فرمایا کرتے تھے، حسین میرا ہے اور میں حسین کا ہوں، خدا اس سے محبت رکھے جو حسین سے محبت رکھتا ہے۔ ایک دفعہ امام حسنؓ یا امام حسینؓ دوش مبارک پر سوار تھے، کسی نے کہا کیا سواری ہاتھ آئی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا سوار بھی کیسا ہے۔ ایک دفعہ امام حسنؓ یا امام حسینؓ (راوی کو بہ تعین یاد نہیں رہا) آپ ﷺ کے قدم پر قدم رکھ کر کھڑے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا اوپر چڑھ آؤ، انھوں نے آپ ﷺ کے سینہ پر قدم رکھ دیئے، آپ ﷺ نے منہ چوم کر فرمایا، اے خدا میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی رکھ۔

ایک دفعہ آپ ﷺ کہیں دعوت میں جا رہے تھے، امام حسین راہ میں کھیل رہے تھے، آپ ﷺ نے آگے بڑھ کر ہاتھ پھیلا دیئے، وہ ہنستے ہوئے پاس آ آ کر نکل جاتے تھے، بالآخر آپ ﷺ نے ان کو پکڑ لیا، ایک ہاتھ ان کی ٹھوڑی پر اور ایک سر پر رکھ کر سینہ سے لپٹا لیا، پھر فرمایا حسین میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔

اکثر امام حسن علیہ السلام کو گود میں لیتے اور ان کے منہ میں منہ ڈالتے اور فرماتے کہ خدایا میں اس کو چاہتا ہوں اور اس کو بھی چاہتا ہوں جو اس کو چاہے۔ آپ ﷺ کے داماد (حضرت زینبؓ کے شوہر) جب بدر سے قید ہو کر آئے تو فدیہ کی رقم ادا نہ کر سکے تو گھر کہلا بھیجا، حضرت زینبؓ نے اپنے گلے کا ہار بھیج دیا، یہ وہ ہار تھا کہ حضرت زینبؓ کے جہیز میں حضرت خدیجہؓ نے ان کو دیا تھا، آنحضرت ﷺ نے ہار دیکھا تو بے تاب ہو گئے اور آنکھوں سے آنسو نکل آئے، پھر صحابہؓ سے فرمایا کہ اگر تمہاری مرضی ہو تو یہ ہار زینبؓ کو بھیج دوں، سب نے بہ سرو چشم منظور کیا۔

حضرت زینبؓ کی کم سن صاحبزادی کا نام امامہ تھا، ان سے آپ ﷺ کو بہت محبت تھی، آپ ﷺ نماز پڑھتے میں بھی ان کو ساتھ رکھتے، جب آپ ﷺ نماز پڑھتے تو وہ دوشِ مبارک پر سوار ہو جاتیں، رکوع کے وقت آپ ﷺ ان کو کاندھے سے اتار دیتے تھے، پھر کھڑے ہوتے تو وہ سوار ہو جاتیں۔ روایتوں کے الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ خود ان کو کاندھوں پر بٹھا لیتے اور اتار دیتے تھے، لیکن ابن القیم نے لکھا ہے کہ یہ عمل کثیر ہے، وہ خود سوار ہو جاتی ہوں گی اور منع نہ فرماتے ہوں گے۔

(آپ ﷺ کی ایک نواسی اسی حالت نزع میں تھیں صاحبزادی نے بلا بھیجا، آپ ﷺ تشریف لے گئے، تو لڑکی اسی حالت میں آغوشِ مبارک میں رکھ دی گئی، آپ ﷺ نے اس کی حالت دیکھی تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، حضرت سعدؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ یہ کیا کر رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ رحم ہے، جس کو خدا نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دیا ہے۔

حضرت ابراہیمؓ کی وفات میں بھی آپ ﷺ نے آب دیدہ ہو کر فرمایا تھا، آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں، دل غم زدہ ہو رہا ہے، لیکن منہ سے ہم وہی باتیں کہیں گے جس کو خدا پسند کرتا ہے، لیکن یہ محبت صرف اپنے ہی آل و اولاد کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ عموماً بچوں سے آپ ﷺ کو انس تھا) (سیرۃ النبیؐ، جلد: دوم، ص: ۳۱۷-۳۱۹)

مولوی حبیب الرحمن۔حیدرآباد

مقامِ شہادت

شہادت کے معنی گواہی دینا ہیں۔مؤمن جن حقیقتوں پر ایمان رکھتا ہے،یعنی اللہ ہی رب ہیں' ہمہ خیر ہیں' آخرت کی زندگی ہی اصلی زندگی ہے' دنیا امتحان گاہ ہے' یومِ حساب حق ہے' النار حق ہے' الجنۃ حق ہے' دنیا کی ہر تکلیف میں آخرت کا خیر ہی خیر ہے۔ یہ تمام حقیقتیں غور وفکر اور اسلام کے بنیادی احکام پر عمل کرتے رہنے سے اتنی واضح ہوجاتی ہیں' کہ کالمشاہدہ (دیکھ کر یقین کرنے کی طرح) ہوجاتی ہیں اور بندۂ مومن میں حق کے لئے جان و مال قربان کرنے کا ایک والہانہ جذبہ اُبھر آتا ہے اور وہ دنیا کی ہر تکلیف کو بہ طیبِ خاطر برداشت کرتے ہوئے حق پر قائم رہتا ہے اور دوسروں کو بھی اس کی طرف بلاتا رہتا ہے۔ یہی شہادت کا مقام ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ آسمان وزمین کی تمام مخلوق باذنِ الٰہی انسان کی ضرورتیں پوری کرنے میں مصروف ہے۔اشیاء میں حرکت وتغیر' ان کے آثار وخواص' انسان میں قوت وفعل و اختیار' اشیاء کے مضر اثرات سے حفاظت انسان کی بقاء حیات' اس کے نشو نما کا سامان۔ دینِ حق نازل کرنا اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت' ایمان وعمل کی توفیق یہ سب حق تعالیٰ ہی کی ربوبیت کا فیضان ہے (جو قانونِ الٰہی کے تحت انجام پاتے ہیں بلکہ قانونِ الٰہی کے خلاف نتیجہ ناممکن)۔

اس طرح غور وفکر کرنے سے جب بندۂ مومن پر اپنی محتاجی (مربوبیت) اور حق تعالیٰ کی حاجت روائی (ربوبیت) متحضر ہوجاتی ہے تو مومن اپنی ذات وکائنات' ہر چیز کی حرکت وآثار وخواص میں حق تعالیٰ کی ربوبیت کا فیضان مشاہدہ کرتا ہے۔اپنی قوت وفعل واختیار کو بھی اللہ تعالیٰ کی عطا وفضل ورحمت سمجھتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے گرویدگی وشیفتگی اور بڑھ جاتی ہے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ رہتی ہے۔ ہر درد وتکلیف' ہر مصیبت وپریشانی اور ہر ضرورت وحاجت اپنے رب ہی سے عرض کرتا رہتا ہے اور ہر موقعہ ومحل پر مخلوق' نفس وشیطان کے شر سے محفوظ رہنے کی دعائیں کرتا رہتا ہے۔اس کو یقین ہوجاتا ہے کہ حق تعالیٰ اس کے لے ہمہ خیر ہیں۔اللہ تعالیٰ کا "بیدہ الخیر" ہونا بطور مشاہدہ کے ہوجاتا ہے۔ جان ومال کے ہر ضرر میں ہر تکلیف ومصیبت میں وہ خیر ہی کا مشاہدہ کرتا ہے جس کے بعد مصائب برداشت کرنا (صبر) آسان ہوجاتا ہے۔حق تعالیٰ بندے کے لئے جو خیر چاہتے ہیں وہ ایک تو یہ ہے کہ بندے کے نفس کا تزکیہ اور اُس کے قلب کی تطہیر ہوجائے۔ "وَلِیُمَحِّصَ مَا فِیْ قُلُوْبِکُمْ" (سورہ ال عمران: 154) ترجمہ: (اور تاکہ تمہارے دلوں کی صفائی ہوجائے۔) دوسرا خیر' خیر آخرت ہے۔ "اللھم لا خیر الا خیر الآخرۃ"۔ جو لازوال وباقی رہنے والا ہے اس لحاظ سے مسرت وراحت کی وہ لازوال زندگی جس کا نام "الجنۃ" ہے اور تکلیف واذیّت کی ابدی زندگی جس کا نام "الجحیم" ہے ان ہر دو کا یقین بھی ایسا پختہ ہوجاتا جیسے

اپنے مشاہدہ کی ہوئی چیزوں کا یقین، جس کے بعد وہ دنیا کے ہر نقصان کی پروا کئے بغیر اپنی طرزِ روش و گفتار سے اس حقیقت کی گواہی دیتا رہتا ہے کہ آخرت کی زندگی ہی اصلی زندگی ہے ایمان کے اس درجہ کو درجۂ شہادت اور اس درجے کے انسان کو شہید کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں دوزخ و جنت کے ذکر کے بعد ہی ارشاد ہے۔ "اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَذِکۡرٰی لِمَنۡ کَانَ لَہٗ قَلۡبٌ اَوۡ اَلۡقَی السَّمۡعَ وَہُوَ شَہِیۡدٌ" (سورہ ق: 37) ترجمہ: (اس میں اس کے لئے نصیحت ہے جو دلی توجہ سے اور کان لگا کر سنتا ہے اور وہ شہید ہے۔) یعنی عالمِ آخرت کے حقائق کو اس طرح مانتا ہے گویا ان کو دیکھ رہا ہے جب حیاتِ آخرت کا یقین مشاہدہ کی طرح ہو جاتا ہے تو اس ابدی پر مسّرت زندگی اور دید و لقائے رب کی ایک تڑپ اور ایک شوق مومن کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے اور اعلائے کلمۃ الحق اور دینِ حق کے قیام و اشاعت کے لئے تن من دھن کی بازی لگانے کا جذبہ اُبھر آتا ہے۔ مؤمن کی مجاہدانہ زندگی میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے اس جہادِ اعلائے کلمۃ الحق کی دو صورتیں ہیں۔ "ان المؤمن یجاھد بسیفہٖ ولسانہٖ" (مشکوٰۃ باب البیان)

ترجمہ: (مومن جہاد کرتا ہے تلوار سے اور زبان سے۔) قرآن میں ان ہی دو جہادوں کی تفصیل ہے۔

جہاد بالسیف کا عنوان قرآن میں قتال فی سبیل اللہ ہے اور جہاد باللّسان کا نام جان و مال قربان کرتے ہوئے اشاعتِ حق (امر بالمعروف و نہی عن المنکر) ہے دونوں کا مقصد علماً و عملاً اعلائے کلمۃ الحق ہے۔ قرآن مجید میں اسی لسانی جہاد کو "جہادِ کبیرا" فرمایا گیا ہے۔ "وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِیْرًا" (سورہ الفرقان: 52) ترجمہ: (جہاد کرو اس (قرآن سے) یہی جہاد کبیرا ہے۔) مرتبۂ صالحیّت ہی میں مجاہدۂ نفس سے نفس کی خواہشیں شریعت کے تابع ہو جاتی ہیں، اس لئے جہادِ نفس کو جہادِ اکبر نہیں کہا جا سکتا۔

قرآنی علم و عمل سے آراستہ ہو کر حق کی اشاعت، تقریر و تحریر سے باطل افکار کی تردید کو جہادِ اکبر قرار دینا حسب مفہوم آیت بالا صحیح ہے کیونکہ حق کی تبلیغ و اشاعت میں بھی نفس کا بڑا مجاہدہ ہے۔ مخالفین کی دلآزار باتیں سننی اور مختلف قسم کی اذیتیں سہنی پڑتی ہیں اور نفس کو پوری طرح قابو میں رکھنا پڑتا ہے۔ اس لئے اعلائے کلمۃ الحق کے سلسلہ میں صبر کی تلقین و تاکید ہے۔ "وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ لا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" (سورہ العصر: 3) اور "بِالْمَرْحَمَةِ" (سورہ بلد: 17) کی بھی ہدایت ہے۔

معلم حکمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "من قتل فی سبیل اللہ فھو شھید ومن مات فی سبیل اللہ فھو شھید" انسان کا قتل تو آلاتِ جنگ ہی کے جہاد میں ہو سکتا ہے اس کے علاوہ فی سبیل اللہ مرنے کی صورت یہی ہے کہ دین کی تبلیغ و اشاعت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں مال و جان کے نقصان کو خوش دلی و فراخ حوصلگی سے، اہل باطل کی اذیّت رسانی اور سختیوں کو ہمّت و استقلال کے ساتھ گوارا کرتے ہوئے جان، جانِ آفرین کے سپرد کی جائے۔

یہ مقامِ عزیمت ہے اور ان ہی سلیم القلب، قرآنی بصیرت رکھنے والوں کو حاصل ہوتا ہے جو ہر زحمت میں رحمت ہی کا مشاہدہ کرتے ہیں، حق کی راہ میں ہر ضرر و اذیّت برداشت کرتے ہوئے باطل کی گندگیوں سے اپنے آپ کو پوری قوت سے بچائے رکھتے ہیں، یہی عزیمت ہے۔ "وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ" (سورہ آل

عمران: 186) ترجمہ: (اور اگر تم صبر کرو گے اور پرہیز کرو گے تو یہ بڑے حوصلے کا کام ہے۔)

امر بالمعروف نہی عن المنکر' انسان کا ایک فطری جذبہ ؟ ہمدردی ہے، انسان' جس کسی سے قرابت یا دوستی رکھتا ہے، ضرر سے بچنے اور زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے کے مشورے اس کو دیتا رہتا ہے اسی طرح آخرت کی زندگی' ابدی نفع وضرر اور وہاں کے درجے جب مشاہدے جیسے ہو جاتے ہیں تو امر بالمعروف و نہی عن المنکر' بندۂ حق کا ایک فطری عمل ہو جاتا ہے۔ اس راہ میں اسے جو دکھ اور اذیّت پہنچتی رہتی ہے وہ اس کے ایمان کی لذت وحلاوت میں اضافہ کرتی رہتی ہے۔ عزیمت دراصل حق تعالیٰ سے گرویدگی و شیفتگی پیدا ہو جانے کی ایک یقینی علامت ہے۔ باطل کے غلبہ کے زمانہ میں علم وعمل دونوں سے اسلام کی حقیقی نمائندگی' حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کرنے کے لئے جان و مال کے ضرر کا خیال نہ کرنا بلا لحاظِ لومتہ لائم جان و مال کی قربانی' اہلِ عزیمت ہی کا کام ہے یہی حق کے حق ہونے اور باطل کے باطل ہونے کی گواہی دیتا ہے۔

صدیاں گذر گئیں کہ شہادت کی یہ قرآنی و نبوی تعلیم پسِ پشت ڈال دی گئی ہے۔ عوام ہوں کہ خواص' امیر ہوں کہ غریب ان کے قلوب مجاہدانہ جذبات' باطلِ شکن عزائم سے خالی ہو گئے ہیں جس کو دیکھئے رخصت ہی کے دامن میں پناہ گیر نظر آتا ہے۔ الّا ماشاءاللہ

شہادت سے مافوق قرب و صدیقیت کا درجہ ہے جو تبع و مطیعِ رسالت کا انتہائی بلند مقام ہے۔

(ماخوذ: رہنمائے فطرت، ص:۱۴۳-۱۴۶)

☆☆☆

سید جہانگیر بیابانی۔ چنئی، ٹاملناڈو

نعت شریف

چاند شرما گیا سورج شرمندہ ہوگیا
چہرہ نبیؐ کا قریش میں جب آشکارا ہوگیا

آمنہ تھے خوش بہت بھاگ حلیمہ کے کھل گئے
آپ کا چہرہ مبارک جب نمایاں ہوگیا

خوش ہوئے دادا مطلب ابوطالب چچا مسرور تھے
آپ کا چشم وچراغ جب خوشی باش پیدا ہوگیا

آسماں میں ہو رہی تھیں جن وملک میں چہ میگوئیاں
جب زمین پر آپ کی بعثت کا اعلان ہوگیا

تھی وہاں جنت میں فراغت اور جہنم تھی سرد یا
محفلوں میں پیمبروں کی اِس خبر کا چاک پردہ ہوگیا

نور کی بارش ہو رہی تھی مکہ میں ہر چاروں طرف
مرحبا کہتے آئے جبرئیل خاتمہ پیغمبری کا ہوگیا

نورٌ علیٰ نور ہو گئے آسمان جب یہ خبر پھیلی وہاں
جب خوشی کا یہ واقعہ مظہر عالم جدا ہوگیا

انورؔ تو پڑھ لے درود وسلام ہر لمحہ ہزار بار
آپ کا چہرۂ مبارک دنیا میں روشناس ہوگیا

ڈاکٹر شاھد صدیقی علیگ۔علی گڑھ، یوپی

تحریک آزادی کا منفرد کردار: ڈاکٹر مختار احمد انصاری

ڈاکٹر مختار احمد انصاری ہفت پہلو شخصیت کے مالک تھے۔وہ ایک ممتاز طبیب، مخلص قوم، سچے فرزند ہند اور اصولوں پر ثابت قدم رہنے والے قائد تھے۔جنہوں نے تحریک آزادی کے کسی بھی موڑ پر نہ تو اپنے نظریات سے سودا کیا نہ اپنے نصب العین کو ترک کیا اور جہاں بھی رہے وہاں اپنے نقوش مرتسم کیے۔ان کا شمار مہاتما گاندھی کے قریبی ساتھیوں میں ہوتا تھا، وہ انڈین کانگرس اور مسلم لیگ کے صدر رہنے کے علاوہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے بانی رکن بھی تھے۔

ڈاکٹر مختار احمد انصاری 25/دسمبر 1880ء کو حاجی عبدالرحمٰن اور بی بی الہان ساکن موضع یوسف پور تحصیل محمد آباد ضلع غازی پور میں پیدا ہوئے۔مختار احمد انصاری میر سنٹرل کالج الہ آباد سے 1896ء میں انٹرمیڈیٹ کرنے کے بعد حیدر آباد چلے گئے ۔ 1900ء میں نظام کالج حیدر آباد سے گریجویشن مکمل کیا۔ میڈیکل کالج مدراس سے ایم ۔بی ۔بی۔ایس مکمل کرنے کے بعد نظام حیدر آباد کے وظیفے پر مزید تعلیم کے لیے لندن روانہ ہوئے۔1905ء میں ایم ۔ ڈی اور ایم۔ایس میں امتیازی کامیابی حاصل کی ۔ بعد ازاں وہ مختلف ہسپتالوں میں اہم عہدوں پر فائز رہے اور ممتاز سرجن کی حیثیت سے ان کی خدمات کو خوب پذیرآرائی ملی۔ اپنے طویل قیام (1901ء تا 1910ء) لندن کے دوران ڈاکٹر انصاری کے ہندوستان سے آنے والے پنڈت موتی لعل نہرو، حکیم اجمل خاں اور جواہر لعل نہرو جیسے سیاسی رہنماؤں سے روابط پیدا ہوئے جو وقت کے ساتھ گہری دوستی میں بدل گئے۔وہ لندن کے انگریزوں کی شاہانہ طرز زندگی کے مقابلے اپنے مادر وطن کے عوام کی غلامی، پستی اور افلاس کے کرب کی خبروں سے رنجیدہ رہنے لگے۔الحاصل وہ لندن کی آرام دہ زندگی کو چھوڑ کر 1910ء میں وطن واپس آگئے۔ حیدر آباد اور اپنے آبائی شہر یوسف پور میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد دہلی میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور فتح پوری مسجد کے نزدیک کلینک کھول کر عوامی خدمات دینی شروع کر دیں۔

اور موری گیٹ کے قریب رہائش اختیار کر لی ۔بعد ازاں دریا گنج میں لعل سلطان سنگھ سے غالباً 50000 روپے میں مکان خرید کر اس کا نام 'دارالسلام' رکھا جو گزرتے شب و روز کے ساتھ سیاسی سرگرمیوں کے اہم مرکز میں تبدیل ہوگیا۔ابھی ڈاکٹر صاحب کو مادر ہند واپس آئے ہوئے دو سال ہی گزرے تھے کہ یورپین طاقتوں کی شہ پر بلقان ریاستوں نے ترکی کے خلاف یلغار کر دی۔اس کی وجہ سے مسلمانان ہند نے ترکوں کی تائید و حمایت کا فیصلہ کیا۔اس سلسلے میں ملک گیر سطح پر چندہ جمع کیا گیا۔مولانا محمد علی جوہر کی کاوشوں سے ہندوستان کا ایک طبی وفد 10/دسمبر 1912ء کو ترکی بھیجا گیا۔جس کی نگرانی ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے سپرد کی گئی۔اس طبی وفد کی کارگردیوں کے سبب نہ صرف مسلمان بلکہ ہندوستان کے عوامی رہنماؤں کے جذبات اور یورپین اقتدار اعلیٰ کی مکروہ پالیسیوں سے دنیا آشنا ہوئی۔طبی وفد کے

دورہ ترکی سے ہندوستان میں تحریک خلافت کے مسئلہ پر کانگریسی اور مسلم لیگی بھی ایک دوسرے کے نزدیک آ گئے۔ ترکی کے تجربات نے ڈاکٹر مختار کو برطانوی نوآبادیاتی نظام کے خلاف ڈٹے رہنے کا مزید حوصلہ فراہم کیا۔

ڈاکٹر مختار احمد انصاری کو معاشرے کے ہر طبقے میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے مشوروں پر کانگریس اور مسلم لیگ میں سنجیدگی سے غور و خوض کیا جاتا تھا۔ 1916ء میں کانگریس اور مسلم لیگ کے مابین لکھنؤ معاہدہ ان کی ہی صلاح پر طے پایا تھا۔

اسی اثنا میں برطانوی حکام نے ہندوستان میں 1919ء کو رولٹ ایکٹ نافذ کر دیا۔ جس کی ڈاکٹر صاحب نے پر زور مخالفت کی۔ وہ نہ صرف دلّی میں منعقد احتجاجی مظاہروں، ہڑتالوں اور جلسوں میں شریک ہوئے بلکہ 24 رفروری 1919ء کو تشکیل پائی پہلی ستیہ گرہ سبھا کے اولین صدر بھی رہے۔ جب 7 رمارچ کو مہاتما گاندھی دلی تشریف لائے تو وہ گاندھی جی کے مشیرِ اعلیٰ کی حیثیت سے ستیہ گرہ رولٹ ایکٹ میں سرگرم عمل ہو گئے اور ستیہ گرہ کا حلف اٹھانے والوں میں وہ پہلی شخصیت تھے۔ 24 رمارچ کو محمد مختار احمد انصاری نے تمام مسلمانوں سے اپیل کی کہ ستیہ گرہ کا عہد کریں اور اس میں شامل ہوں۔ ان کی رات دن کی محنتوں سے فروری تا اپریل ستیہ گرہ کے حق میں زبردست عوامی طوفان سڑکوں پر نظر آیا۔ علاوہ بریں انگریزی انتظامیہ نے ڈاکٹر مختار کو گرفتار کرنے کی کوشش بھی کی۔

انہوں نے عدم تعاون تحریک کو فروغ دینے کے لیے متعدد شہروں کا سفر کیا۔ پنڈت نہرو کے ساتھ بنارس گئے اور طلباء کی عدم تعاون تحریک کی ایک کمیٹی تشکیل دینے میں رہنمائی کی۔ یہی کام انہوں نے الہ آباد، علی گڑھ اور آگرہ میں بھی سرانجام دیا۔

ڈاکٹر انصاری مسلم لیگ اور کانگریس دونوں جماعتوں کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ وہ تمام زندگی کانگریس ورکنگ کمیٹی کے رکن رہے نیز 1920ء، 1922ء، 1926ء، 1929ء، 1931ء میں معتمد عمومی اور 4 رستمبر 1927ء کو کانگریس کے 42 ویں صدر منتخب کیے گئے۔ ان کی صدارت میں کانگریس مدراس اجلاس کا انعقاد کیا گیا۔

ڈاکٹر انصاری نے شیخ الہند مولانا حسین احمد مدنی کی تحریک کے لیے بھی کھلے ہاتھوں سے مالی اعانت کی۔ ڈاکٹر صاحب کو تحریک آزادی میں سرگرم حصہ لینے کی پاداش میں متعدد مرتبہ دار و گیر کا سامنا کرنا پڑا اور قید فرنگ میں بھی رہے۔ ڈاکٹر صاحب کانگریس اور مسلم لیگ کے حلقوں میں ہمیشہ قومی اتحاد اور اخوت کو پروان چڑھانے کے لیے کوشاں رہے۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ اور کاشی ودیا پیٹھ کے قائم کرنے میں ان کا کلیدی رول رہا ہے۔ 1927ء میں حکیم اجمل خاں کے انتقال کے بعد انہیں جامعہ ملیہ اسلامیہ کا چانسلر مقرر کیا گیا۔ ڈاکٹر مختار انصاری رام پور کے نواب کی دعوت پر مسوری گئے جہاں سے واپسی کے دوران 10 رمئی، 1936ء کی شب کو ٹرین میں ہی دل کا دورہ پڑا اور روح پرواز ہو گئی۔

ڈاکٹر مختار احمد انصاری ایک نامور ماہر طبیب تھے اور لندن میں پرسکون زندگی بسر کر رہے تھے لیکن ملک و قوم کی خاطر انہوں نے اپنے عیش و عشرت کو قربان کر دیا اور جدوجہد آزادی میں اہم کردار ادا کیا لیکن شومیٔ قسمت ملک و قوم نے ان کی خدمات کو نظر انداز کر دیا۔

ڈاکٹر ذاکر حسین خان نے اپنے تعزیتی پیغام میں لکھا تھا کہ: ''ہمیں ہزاروں دولتیں ملیں گی پر ڈاکٹر انصاری کا سا دل نہ ملے گا۔''

پروفیسر ابوزاہد شاہ سید وحید اللہ حسینی القادری الملتانی، کامل الحدیث جامعہ نظامیہ، M.A., M.Com (Osm)

گہوارۂ قلب مومن میں اب جذبۂ ایماں سوتا ہے

دل و جان سے اللہ اور اس کے حبیب کی وفاداری و اطاعت شعاری کو اپنا زندگی کا مقصد اولین بنانے والے اہل بیت اطہار، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، بزرگان دین اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے کہ دارین کی حقیقی و پائیدار کامیابی وکامرانی کا راز اللہ اور اس کے حبیب کے احکامات کی پیروی میں مضمر ہے۔ لہٰذا ان نفوس قدسیہ کے دلوں میں عشق الٰہی، محبت مصطفیؐ اور دین اسلام کی سربلندی کے لیے ایثار و قربانی پیش کرنے کا جذبہ ہمیشہ موجزن رہتا تھا جس کے باعث دنیا کی کوئی طاقت نہ انہیں زیر کرسکی اور نہ روح فرسا اذیتیں ان کے ایمان کو کمزور کرسکیں۔ امیہ بن خلف جمحی نے حضرت سیدنا بلال حبشیؓ کو عرب کی چلچلاتی دھوپ میں مکہ مکرمہ کے پتھریلے کنکریوں پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھوادیتا، آپؓ کی گردن میں رسی ڈالکر بچوں سے کہتا کہ مکہ کی پہاڑیوں میں گھمائیں، اسلام کی پہلی شہیدہ حضرت سیدنا عمارؓ کی والدہ محترمہ حضرت سیدنا سمیہؓ کی شرمگاہ میں نیزہ ماکر ابوجہل نے شہید کردیا، حضرت سیدنا خباب ابن ارتؓ کے سر کے بال نوچے گیے، آپؓ کی گردن کو مروڑا گیا الغرض صحابہ کرام پر مخالفین و معاندین اسلام اور ظالموں نے سختی کا سلسلہ جاری رکھا یہاں تک کہ انتہائی گرم لوہے کی سلاخیں آنکھوں پر پھیری گئیں لیکن صحابہ کرام کا ایمان اس قدر مثالی و مضبوط تھا اور قرآن و سنت کی اتباع و پیروی میں وہ اس قدر مستعد تھے کہ ان تمام سخت تکالیف کے باوجود دشمنان اسلام صحابہ کرام کو دین اسلام سے برانگیختہ کرنا تو درکنار ان مبارک ہستیوں کے پائے استقامت کو لمحہ بالبصر کے لیے متزلزل بھی نہیں کر پائے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے صحابہ کرام کی ایمان کو ساری امت مسلمہ کے لیے مثال و نمونہ قرار دیا ہے۔ اللہ تعالی نے ان مبارک ہستیوں کے ایمان و تقوی اور اخلاق و کردار کی برکت سے مسلمانوں کو اتنا نوازا کہ تاریخ انسانیت میں اس کی مثال نہیں ملتی چنانچہ تاریخ انسانیت شاہد ہے کہ جب عظیم الشان اسلامی فتوحات کا طویل سلسلہ شروع ہوا تو اسلامی سلطنت کی حدود عرب صحرا سے نکل کر اطراف عالم تک پہنچ گئیں اور یوروپی ممالک مسلم حکمرانوں سے خوفزدہ رہنے لگے تھے، مسلمانوں نے فلسطین بالخصوص بیت المقدس پر مسیحی قبضہ بحال کرنے کی غرض سے فاش دی۔ لیکن جب سے مسلمانوں کے ایمان میں کمزوری آنے لگی انہوں نے آخرت کے مقابل دنیا کو ترجیح دینا شروع کیا، اسلامی تعلیمات سے انحراف کرنے لگے، قابلیت سے زیادہ اقربا پروری کو فروغ دینے لگے، سائنسی مزاج، بحث و تحقیق کو پروان چڑھانے کے بجائے اندھی تقلید کرنے لگے تو مسلمانوں کی عظیم سلطنتیں زوال پذیر ہوئیں اور ان کا خاتمہ ہوگیا اور اب عالم یہ ہے کہ مسلم حکمراں مغربی و یوروپی ممالک کے رحم و کرم پر ہیں۔ جس امت مسلمہ نے اپنی جذبۂ ایمانی، اخلاق کی بلندی اور کردار کی پاکیزگی سے عملی طور دنیا کے سامنے ریاست مدینہ کا تصور پیش کیا تھا آج وہی قوم مقامات مقدسہ پر نیم برہنہ خواتین کے رقص و سرور کی محافل سجا رہی ہیں، لوگ جوق در جوق اس میں شرکت کررہے ہیں۔

جو علماء تصوف کا نام سنتے ہی آگ بگولہ ہوجایا کرتے تھے اور خانقاہی نظام کو غیر اسلامی قرار دینے کے لیے تقریری و تحریری طور پر زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے تھے وہ علماء بھی ایسے خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں جیسے یہ حرکات مذمومہ دین اسلام کا حصہ ہوں۔ ہمارے اس طرز عمل سے ہمارے دعوائے ایمان کی قلعی کھل جاتی ہے۔ ہم بس اتنے مسلمان ہیں کہ ہماری پیدائش مسلم گھرانے میں ہوئی ہے، ہمارا نام مسلمانوں جیسا ہے۔ میلاد النبیؐ، گیارہویں شریف، بزرگان دین کے اعراس کی محافل کے جواز پر صحابہ کرام کی زندگی کا حوالہ طلب کرنے والے کیا یہ بتاسکتے ہیں کہ فحش و منکرات کو بڑھاوا دینے والی یہ محافل کس صحابی رسولؐ کے عمل سے ثابت ہے؟ یہ ایمان و اسلام نہیں ہے بلکہ خود غرضی و ہوا پرستی ہے۔ طرفہ تماشہ یہ ہمیں اس بات پر فخر بھی ہے کہ ہم امت محمدی ہے جسے آئیڈیل بنا کر دنیا میں بھیجا گیا ہے، جس کے کندھوں پر بنی آدم کے اخلاق و کردار کو سنوارنے کی مذہبی ذمہ داری ہے۔ افسوس صد افسوس ایمان کی کمزوری کے باعث ہمارا اپنا کردار مسخ ہوچکا ہے ایسے عالم میں ہم دوسروں کی کیا رہنمائی کریں گے؟ عملی طور پر ہم مغربی تہذیب کی اندھی تقلید کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کو معیار انسانیت سمجھنے لگے ہیں جو درحقیقت اسلامی تعلیمات سے اعراض و روگردانی کرنے کی بدترین مثال ہے۔ معیار ایمان یعنی صحابہ کرام اپنے ایمان و عقیدہ کے تحفظ و بچاؤ کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے ہمیشہ تیار رہتے تھے وہیں آج مسلمانوں کی اکثریت دنیا کے حقیر مفادات کے لیے سب سے پہلے اپنے ایمان کا سودا کرنے کے لیے تیار ہے۔ یہ مسلمانوں کی ایمان کی کمزوری اور بدکرداری کا ہی نتیجہ ہے کہ اوقاف کی 80 فیصد جائیدادیں تباہ و برباد ہوگئیں جس کی وجہ سے آج کا مسلمان تعلیمی پسماندگی اور معاشی بدحالی کا شکار ہے۔ امت مسلمہ کی موجودہ حالات کے لیے وقف بورڈ میں کام کرنے والے وہ تمام لوگ ذمہ دار ہیں جنہوں نے اوقافی جائیدادوں کی تباہی پر خاموشی اختیار کیے ہوئے تھے۔ اگر ہمارے اندر ایمانی حرارت ہوتی تو ہم بروقت اوقافی جائیدادوں میں دھاندلیاں کرنے والوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے اور آج ہمیں اس قدر ذلت و رسوائی کی زندگی گزارنے پر مجبور نہ ہونا پڑتا۔ متعصب اور فرقہ پرست طاقتیں ہندتوا ایجنڈا کے مطابق وقف ترمیمی بل 2024 کو قانونی شکل دینے پر مصر ہیں جس کے مجوزہ ترمیمات درحقیقت وقف بورڈ کی خود مختاری کو ختم کرنے، مسلمانوں سے وقف جائیدادیں چھیننے اور وقف املاک کو ہڑپنے کی درپردہ مذموم کوشش ہے۔ اس بل کی مسلمان ہی نہیں بلکہ سیکولر ذہنیت کا حامل ہر ہندوستانی شہری جنگی پیمانے پر مخالفت کررہا ہے۔ بحیثیت امت مسلمہ مسلمانوں کو اس بل کی مخالفت کرنے کے ساتھ ساتھ جس بنیاد پر بل متعارف کروایا گیا ہے اس کی اصلاح کی بھی اسی شدت سے کوشش کرنی چاہیے۔ سچر کمیٹی 2006 کی رپورٹ میں اس بات کا انکشاف کیا گیا کہ وقف جائیدادوں سے کماحقہ استفادہ نہیں ہورہا ہے اس لیے سچر کمیٹی نے اصلاحات کو ناگزیر قرار دیا تھا تاکہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے وقف املاک کا صحیح استعمال ہوسکے۔ مسلمانوں کے ایمان کی کمزوری اور کردار کی پستی ہی تھی کہ امت مسلمہ نے ان اصلاحات کی طرف توجہ ہی نہیں دی چونکہ اس سے ہمارے ذاتی مفادات وابستہ تھے۔ کاش مسلمان سچر کمیٹی رپورٹ کے مطابق جنگی خطوط پر ہندوستان کے تمام وقف بورڈ میں اصلاحات لانے، دھاندلیوں کا تدارک کرنے اور بدعنوان عہدیداروں اور ملازمین کے خلاف جنگی خطوط پر مہم چلاتے تو شاید موجودہ حکومت کو وقف ترمیمی بل 2024 متعارف

کروانے کی ہمت ہی نہ ہوتی۔ مسلمانوں کو سب سے پہلے اپنی غلطی کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ موجودہ نازک وتباہ کن حالات کے لیے خود ان کی بداعمالیاں ذمہ دار ہیں۔ لہٰذا حالات کی تبدیلی کے لیے مسلمانوں کو اپنے کردار میں تبدیلی لانی پڑے گی جس کی اولین شرط امت مسلمہ کا اپنی زندگی کو قرآن و حدیث کے مطابق گزارنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو دارالمحن اور آخرت کو دارالجزا بنایا۔ اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم ملاحظہ فرمایئے کہ دارالمحن یعنی محنت ومشقت کرنے کا دن 24 گھنٹے کا بنایا اور اس کو بھی دو حصوں یعنی دن اور رات میں تقسیم فرمایا رات کو انسان کی میٹھی نیند اور ہر طرح کی راحت ولذت کے لیے بنایا اور دن کو وجود اس لیے بخشا گیا تاکہ انسان روزگار حاصل کرسکے۔ اگر انسان حدودِ الٰہیہ کی پاسداری کرتے ہوئے رزق حلال کماتا ہے تو رب کائنات اس کی نوازش کے لیے جو نظام مقرر فرمایا ہے اس کا ایک دن پچاس ہزار سال کا ہے۔ 24 گھنٹے والے ایام کی تعداد بہت کم ہے لیکن پچاس ہزار سال والے دنوں کا کوئی اختتام ہی نہیں ہے۔ خوش بخت ہے وہ انسان جو رات میں راحت و آرام کرنے کے ساتھ عملی قوتوں کو مستعد و توانا بناتے ہیں تاکہ دن میں کسب معاش کے ساتھ کسب فضائل بھی ان کے لیے آسان ہوجائے۔ کس قدر بدبختی ہے اس انسان کی جو دنیا کے حقیر مفادات کے لیے آخرت کی عظیم نعمتوں اور سرفرازیوں سے اپنے آپ کو محروم کرنے کے ساتھ دنیاوی زندگی کو بھی اجیرن بنالیتا ہے۔ آج ہم پوری دنیا بالخصوص وطن عزیز ہندوستان میں جس پرآشوب اور ہولناک دور سے گزر رہے ہیں، ہمارے ساتھ جو تعلیمی، معاشی، سیاسی اور سماجی ناانصافیاں ہورہی ہیں، ہم جو بے یقینی، بے چارگی اور خوف و ہراس کے ماحول میں زندگی بسر کررہے ہیں، تو ان سب کی ایک اہم وجہ ہمارے ایمان کی کمزوری اور کردار کی پستی ہے جس کی وجہ سے مسلم معاشرہ بالخصوص نوجوان نسل عیش وعشرت، فسق وفجور اور اخلاقی پستیوں کے دلدل میں دھنس چکا ہے۔ اگر ہم شاندار و تابناک ماضی کی واپسی اور کھوئی ہوئی شان وشوکت چاہتے ہیں تو ہم پر لازم ہے کہ اپنے اندر اہل بیت اطہار، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور بزرگان دین جیسا جذبہ ایمانی، اخلاق کی بلندی اور کردار کی پاکیزگی پیدا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نوازیگا جس طرح اس کی نوازشوں کی بارش ہمارے اسلاف پر ہوئی تھی۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ بطفیل نعلین پاک مصطفیٰ ﷺ ہمیں قرآن اور صاحب قرآن ﷺ کی تعلیمات کے مزاج کو سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین طہٰ ویٰسین۔

ڈاکٹر روبینہ شبنم۔ حیدرآباد

غزل

آنکھوں ہی آنکھوں میں ہر شب گزرتی ہے
رُوح عرض و سماں پر جسم کروٹ بدلتی ہے

نہ جانے کیوں قلب سکون کا تضاد لیے مجھ سے
ہر آن میرے ضمیر سے یہ جھگڑتی ہے

حالِ دل بھی عجیب فرمائش کرتا ہے کبھی
کون سمجھائے اسے تقدیر بھی کبھی بدلتی ہے

مانا سکون اب نہیں میسر مجھے لیکن شبنم
ماں باپ کی دُعاؤں سے میری طبیعت سنبھلتی ہے

ڈاکٹر محمد اعظم ندوی۔ استاذ المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد

ستارے ''شام'' کے خونِ شفق میں ڈوب کر نکلے

دنیا کی تاریخ شاید ہی کسی خطہ پر ان آزمائشوں کی شاہد رہی ہو جن سے مشرق وسطیٰ کے ممالک کو دوچار ہونا پڑا ہے، یہاں کے شہروں پر بم برسائے گئے، گاؤں کے گاؤں اُجاڑ دیے گئے، لاکھوں انسان اپنے گھروں، زمینوں اور اپنی شناخت سے محروم کر دیے گئے، یہ خطہ صرف اپنے وسائل کی لوٹ مار کا شکار نہیں ہوا، بلکہ ظلم و جبر کے ایسے تجربات سے گزرا ہے جو انسانی شعور کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتے ہیں، شام کے المیہ کی سب سے دردناک تصویر اُس پاک دامن، باعفت اور مظلوم بیٹی کی کہانی میں جھلکتی ہے، جو انیس برس کی عمر میں قید و بند کی تاریکیوں میں ڈال دی گئی، وہ مومنہ جس کا دامن شرم و حیا اور عزت و وقار کے موتیوں سے روشن تھا، اپنی جوانی کی حسین ترین ساعتیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے گنوا بیٹھی، جب تیرہ برس بعد وہ دنیا کی روشنی میں لوٹی، تو اس کے ساتھ وہ تین معصوم بچے بھی تھے جن کے چہروں پر سوال تھے، اور جن کے باپ کا کوئی نام نہ تھا، نہ جانے کتنی مسلم بہنوں کو وہاں جنسی استحصال اور زیادتیوں سے گزرنا پڑا ہوگا، یہ سب سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ مظلومیت انسانی ضمیر کو جھنجھوڑ دینے والی ہے، ایک ایسی چیخ جو دلوں کو دہلا دیتی ہے۔

مگر ان زخموں نے ان کے عزم کو کبھی شکست نہ دی، نہ وہ جھکے، نہ انہوں نے اپنے وقار کا سودا کیا، نہ مایوسی کو اپنے قریب پھٹکنے دیا، یہ کہانی صرف ایک فرد کی نہیں، بلکہ ایک قوم کے صبر و شکیبائی، غیرت و حمیت، اور عزیمت کی وہ گواہی ہے جو وقت کی دھند میں کبھی ماند نہیں پڑے گی، یہ المیہ ان کے حوصلوں کی وہ شمع بن گیا، جو ظلم کی تاریکیوں میں روشنی پھیلاتی رہی، دمشق میں ایک بار پھر وہی پرچم بلند ہو رہا ہے جو مشرقِ وسطیٰ کی سب سے حسین بہار ''عرب بہاریہ'' کا امین تھا، وہ انقلاب جو خوابوں کی زمین پر امیدوں کے پھول بن کر کھلا، مگر جبر و استبداد کے قدموں تلے روند دیا گیا، افسوس کہ جاہلیت کے ٹھیکیداروں نے اپنی طاقت سے اسے کچلنے کی کوشش کی، مگر ان کے گمان کی بنیادوں میں خام خیالی کے سوا کچھ نہ تھا، یہ صرف ایک تحریک نہیں تھی، بلکہ ایک عہد تھا جو پھر شام میں پورا ہوا، معروف نوجوان تیونسی شاعر ابو القاسم الشابی مرحوم نے کہا تھا، اور یہ اشعار تیونس کے قومی ترانے کا حصہ ہیں:

إذا الشعب يوماً أراد الحياة
فلا بد أن يستجيب القدر
ولا بد لليل أن ينجلي
ولا بد للقيد أن ينكسر

(جب کوئی قوم زندہ رہنے کا عزم کر لے، تو تقدیر بھی اس کی لاج رکھ لے گی، رات کی تیرگی مٹ کر رہے گی، اور زنجیریں ٹوٹ کر بکھر جائیں گی)۔

ظالم حکمرانوں کی سلطنتیں ہمیشہ تین ستونوں پر کھڑی رہتی ہیں، سرکاری مشینری کا بے رحمانہ تشدد، درباریوں اور مقربین کی بدعنوانیاں، اور میڈیا کا مکروہ چہرہ، یہی حربہ تھا جسے دمشق کے ڈکٹیٹر بشار نے اپنی حکومت کو قائم رکھنے کے

لیے نہایت سفاکی کے ساتھ آزمایا، لیکن اللہ کا فیصلہ دیکھئے کہ ''صیدنایا'' کی تاریک کوٹھریاں، جہاں 2011 سے اب تک 13 ہزار تک قیدیوں کو سزائے موت دی جا چکی تھی، جہاں مظلوموں کی آہیں دبائی گئیں، آج امید کے مینار بن چکی ہیں، قیدی آزاد ہو چکے ہیں، اور شام کی فضائیں ان کے لیے مسکرا رہی ہیں، ''شام آزاد ہے'' کے نعروں سے گونجتی گلیاں اور رقص کرتے عوام تاریخ کے صفحات پر ایک نیا باب لکھ رہے ہیں، تاریخ کا سبق یہی ہے کہ ظلم ہمیشہ اپنی ہی بنیادوں سیز میں بوس ہو جاتا ہے، وہی عوام، جنہیں خوف سے خاموش کر دیا گیا تھا، ایک دن جاگے، ان کے ہاتھوں نے ظالموں کے مجسمے گرادیے، ان کے بچوں نے ان پر پیشاب کر دیا، ان پر جوتوں کی بارش کی، ان کے محلوں میں بے خوفی سے قدم رکھا، اور وقت کے آمر کو اپنے آقاؤں کے دربار میں پناہ مانگنے پر مجبور کر دیا، تشدد اور ظلم کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ انجام کو مؤخر تو کر سکتا ہے، مگر بدل نہیں سکتا، عرب حکام کے لیے یہی وقت ہے کہ انکار کی روش کو ترک کر کے حقیقت کو تسلیم کریں، اور عوام کی آواز کو دبانے کے بجائے اسے سننے کی ہمت پیدا کریں، فیصلہ عربوں کے ہاتھ میں ہے، یہ ظلم کی داستان محض المیہ نہیں، بلکہ اس خطہ کی روح پر ایک گہرا زخم ہے، وہ زمین، جو کبھی تہذیب و تمدن کی امین تھی، آج تباہی و بربادی کی علامت بن چکی ہے، لیکن ان حادثات میں ایک سبق بھی چھپا ہوا ہے، اور وہ یہ کہ ظلم کا انجام بھیانک ہوتا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ شامی عوام کا یہ قافلہ، جو کبھی ظلم واستبداد کے بوجھ تلے دب گیا تھا، آج اپنی تقدیر کے ماتھے پر آزادی کا جھومر سجائے سر بسجود ہے، وہ سڑکیں، جن پر کبھی خون کے دھبے پڑے تھے، آج ان پر فتح کا جشن ہے، دمشق کی فضا میں جو گھٹن برسوں سے طاری تھی، آج وہ آزادی کی خوشبو سے معطر ہو چکی ہے:

عقابی شان سے جھپٹے تھے جو، بے بال و پر نکلے
ستارے شام کے خونِ شفق میں ڈوب کر نکلے
ہُوئے مدفون دریا زیرِ دریا تیرنے والے
طمانچے موج کے کھاتے تھے جو، بن کر گہر نکلے

یہ صرف ابتدا ہے، شامی عوام کے دلوں کی آواز یہ ہے کہ تم نے ہماری کمزوریوں کے عارضی لمحات کو ہماری دائمی حقیقت سمجھ لیا، اور ہماری تاریخ کو فراموش کر دیا، یہ بھول گئے کہ یہ وہی قوم ہے جو صدیوں سے تہذیبوں کی معمار رہی ہے، اور جس کا مقام ہمیشہ تاریخ کے صفحات پر نمایاں رہا ہے، یہ تمہارا مغالطہ ہے کہ طاقت کا توازن ہمیشہ ایک جیسا رہتا ہے، تم یہ سمجھنے سے قاصر ہو کہ تاریخ کے پیمانے کبھی ایک حالت میں نہیں ٹھہرتے، عرب اپنی داخلی جدوجہد کے بعد نہ صرف اپنے حالات کو سدھاریں گے بلکہ دنیا کے نقشہ پر اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو بھی دوبارہ حاصل کریں گے، دنیا کے غیور مسلمانوں کا شامی مسلمانوں کے تئیں یہی احساس ہے کہ آپ پر جو ظلم ڈھایا گیا، قتل و غارت گری، جلاوطنی، اور اذیت کی داستانیں رقم کی گئیں، ان پر ہمیں شدید افسوس ہے، اور سب سے بڑھ کر، ہم ان مظلوم خواتین کے لیے شرمندہ ہیں، جنہیں عقوبت خانوں میں بے انتہا مظالم کا سامنا کرنا پڑا، مہاجر کیمپوں میں اپنی عزت کو داؤ پر لگانا پڑا، یہ شرمندگی ہمارے دلوں پر بوجھ ہے، اور آج ہم ان کے قدموں میں گر کر معافی کے طلبگار ہیں، ان سے درگزر کی درخواست کرتے ہیں، ہم ان عرب حکومتوں پر نادم ہیں، جنہوں نے اپنے دروازے آپ پر بند کر دیے، حالانکہ آپ وہ لوگ ہیں جو

ہمیشہ دوسروں کے لیے مہمان نوازی اور کشادہ دلی کی مثال رہے ہیں، ہم آپ کی بہادری اور عزم پر فخر کرتے ہیں، آپ کی کامیابی پر ناز کرتے ہیں، اور آپ سے محبت کا اظہار کرتے ہیں، تاہم، یہ محبت اور یہ فخر، ایک گہری تشویش کے ساتھ جڑا ہوا ہے، ہمیں ڈر ہے کہ وہی اندھیرا جو آپ نے پیچھے چھوڑ دیا، کسی اور شکل میں دوبارہ لوٹ نہ آئے۔

یہی خوف ہے جو اسلام پسند مبصرین کو آمادہ کر رہا ہے کہ آپ کو وہ ایک نصیحت کریں، اور وہ یہ کہ آپ عرب بہار یہ یا اس سے قبل ہونے والی غلطیوں کو نہ دوہرائیں، علاقائی طاقتیں اپنے خنجروں کو دھار دار کرنے میں لگ گئی ہیں، اور آپ کے انقلاب کی چمک انہیں برداشت نہیں ہو رہی ہے لیکن آپ کے پاس موقع ہے کہ آپ ان غلطیوں سے سبق لیں جو ہم نے بہار عرب کے آغاز میں کی ہیں، اور ان کی قیمت بہت بھاری چکانی پڑی ہے، خدا نہ کرے آپ بھی اپنی فتح و کامرانی کی وہی قیمت ادا کریں، اپنی جد وجہد کو مضبوط بنائیں، اپنی صفوں میں اتحاد رکھیں، اور ان اسباق کو اپنی حکمت عملی کا حصہ بنائیں تا کہ آپ کے انقلاب کا شعلہ وہ آگ بنے، جو نہ صرف آپ کو جابر حکومتوں سے آزاد کرے بلکہ عرب دنیا کی ہر دیوار استبداد کو بھی راکھ کر دے، آپ کی کامیابی صرف آپ کی نہیں، بلکہ ہر اس شخص کی امید ہے جو آزادی، انصاف اور وقار کے لیے لڑ رہا ہے، سیاسیات میں ایک چیز اصول کی حیثیت رکھتی ہے کہ جتنی زیادہ انقلاب کے بعد کی عبوری مدت طویل ہوگی، اتنی ہی زیادہ انقلاب مخالف قوتوں کو اپنی صفیں منظم کرنے کا موقع ملے گا، معاشی حالات جتنے خراب ہوں گے، عوام کی مایوسی اور انقلاب سے امیدیں ٹوٹنے کا خدشہ بھی اتنا ہی بڑھ جائے گا، یہی وجہ ہے کہ سیاست دانوں کی باہمی چپقلش اور سودے بازی کے بجائے فوری استحکام کو ترجیح دینا ضروری ہے، شام میں 18 ماہ کی عبوری مدت کی بات سن کر تعجب ہوا تھا، کیوں کہ ایسی تاخیر انقلابی مقاصد کے لیے خطرہ بن سکتی ہے، جیسا کہ سوڈان میں دیکھا گیا؛ اس لیے ترجیح ایک متفقہ آئین، فوری انتخابات، اور تکنیکی ماہرین کی حکومت کو دی جانی چاہیے تا کہ معیشت بحال ہو اور شام دوبارہ خطہ کی طاقتوں کا کھلونا نہ بن جائے، انقلاب کے بعد مصالحت اور قومی اتحاد کے نام پر ظلم کو فراموش کرنا ایک سنگین غلطی ہوگی، جیسا کہ تیونس میں ''بوس خوک'' کے تجربہ سے سبق ملا، یعنی ایک ایسا نعرہ دیا گیا تھا کہ اپنے ہر بھائی کو چوم کر معاف کر دو، فتح مکہ کی عام معافی سے سخت ترین مجرموں کو غلاف کعبہ تھامنے پر بھی مستثنیٰ رکھا گیا تھا، عدالت صرف انتقام یا عبوری انصاف تک محدود نہیں ہونی چاہیے، بلکہ مکمل انصاف پر مبنی ہو، جو ظالموں اور مظلوموں دونوں کے حق میں مساوی ہو، شفاف اور منصفانہ مقدمات، بین الاقوامی مبصرین کی موجودگی، اور مضبوط شواہد کے ساتھ انصاف فراہم کیا جائے تا کہ نہ صرف تاریخ محفوظ ہو بلکہ قانون کی حکمرانی کی بنیاد رکھی جا سکے، عرب دنیا میں آزاد عوام اور خود مختار ریاستوں کے درمیان یورپ کی طرز پر اتحاد قائم کرنے کی کوشش ایک قابلِ ستائش مقصد ہے، لیکن اس میں لیبیا جیسے تجربات کی غلطیوں سے سبق لینا ضروری ہے، جہاں سیاسی عدم استحکام اور داخلی کشمکش نے انقلاب کے بعد اتحاد اور ترقی کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کیں، ان غلطیوں سے بچ کر ہی حقیقی اتحاد ممکن ہے۔

دوسری طرف اسرائیل کے شدید حملوں نے خطہ کے سیاسی افق پر ایسے سوالات اٹھائے ہیں، جن کے جوابات

صرف وقت دے سکے گا، سارے ثبوت ظلم وعدوان کے ضائع کئے جا چکے ہیں، اسلحوں کے ذخائر ناکارہ کردیئے گئے، یہ بات واضح ہے کہ یہ جنگ محض زمینی حدود کی نہیں، بلکہ سیاسی، اسٹریٹیجک اور نظریاتی بالادستی کی ہے، اسرائیل نے یک طرفہ گولان کی پہاڑیوں کے حوالہ سے 1974 کے جنگ بندی معاہدہ (Disengagement Agreement) کو ختم کر چکا ہے، اسرائیلی افواج شام کی سرحد سے متصل غیر فوجی علاقہ پر قبضہ کر چکی ہیں، بفرزون کراس کیا جا چکا ہے، لاذقیہ میں واقع شام کی سب سے بڑی بندرگاہ تباہ کی جا چکی ہے، شام پر اسرائیل کے بڑھتے ہوئے حملوں اور زمینی پیش قدمیوں نے خطہ میں ایک نئے باب کا آغاز کر دیا ہے، ان کارروائیوں کی جڑیں شام کے سیاسی عدم استحکام اور داخلی کشیدگی میں پیوست ہیں، بشار الاسد کے زوال کے بعد پیدا ہونے والے سیکیورٹی خلا نے اسرائیل کو موقع دیا کہ وہ اپنی سرحدوں کے قریب مزید مضبوط ہو، اور ایران کے اثر ورسوخ کو محدود کرنے کے لیے عملی اقدامات کرے، یہ سب کچھ اس بڑے مقصد کا حصہ ہے، جس کے تحت اسرائیل خطہ میں اپنی بالادستی برقرار رکھنا چاہتا ہے اور کسی بھی ممکنہ خطرے کا پیشگی سدباب کرنا چاہتا ہے تاکہ گریٹر اسرائیل کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو، اسرائیل کی یہ کارروائیاں ایک گہری حکمت عملی کا پتہ دیتی ہیں، جس میں نہ صرف خطہ کے وسائل اور طاقتوں کی سمت کو تبدیل کرنا ہے بلکہ اپنے مخالفین کے لیے میدانِ عمل کو تنگ کرنا بھی شامل ہے، یہ حملے شام کے داخلی حالات کو مزید پیچیدہ بنا رہے ہیں، جہاں ایک طرف عوام پہلے ہی تباہ کن جنگ کے نتائج بھگت رہے ہیں، خطہ میں نئی محاذ آرائیاں جنم لے رہی ہیں۔

عربوں کو چاہیے کہ ان نازک حالات میں سابقہ تجربات سے روشنی حاصل کریں اور ان زخموں کو اتحاد، حکمت، اور ترقی کی بنیاد بنائیں، سیاسی اختلافات کو پسِ پشت ڈال کر اس خطہ کی تعمیر نو اور مظلوم اقوام کے دکھوں کا مداوا کریں، یہ وقت کا تقاضا ہے کہ مشرقِ وسطیٰ کے ممالک اپنی تاریخ کو جنگ وجدل کے بجائے امن، وحدت، اور تعمیر کے عنوانات سے سنواریں، ظلم کے خلاف مزاحمت صرف ہتھیاروں سے نہیں، بلکہ شعور اور بصیرت سے کی جاتی ہے، اور یہی راستہ مشرقِ وسطیٰ کے تابناک مستقبل کی ضمانت ہے، مشرق وسطیٰ کی تحریکیں، وہاں کے زخم، اور وہاں کا مستقبل ایک ہی داستان کے مختلف صفحات ہیں، وہ قوتیں جو ماضی میں عربوں کی جدوجہد کو دفن کرنے پر تلی تھیں، آج بھی سرگرم ہیں، لیکن اے جوانانِ عرب! کیا تم اس خوف میں قید رہو گے؟ کیا تم ان خوابوں کو یوں ہی ادھورا چھوڑ دو گے جو آئندہ نسلوں کی آزادی کے ضامن بن سکتے ہیں؟ یہ لمحہ فیصلہ کا ہے، عمل کا ہے، اور تاریخ کے رخ کو اپنے حق میں موڑنے کا ہے، جو مشعل جل چکی ہے، اسے بجھنے نہ دو، وہ خواب جنہیں ادھورا چھوڑا گیا، وہ امیدیں جو تمہاری نگاہوں سے باندھی گئی ہیں، انہیں حقیقت کا لباس دو، یاد رکھو، تاریخ ان کے ساتھ ہوتی ہے جو اپنی ہمتوں سے راستے بناتے ہیں، اور ان کے خلاف ہوتی ہے جو وقت کے دھارے میں بہہ جانے کو مقدر سمجھتے ہیں، تمہارے فیصلے صرف تمہارے نہیں، آئندہ نسلوں کے مقدر کا حصہ بنیں گے، تو کیا تم اپنی نسلوں کو مایوسی اور اندھیروں کا وارث بناؤ گے، یا انہیں آزادی اور امید کے چراغ دے جاؤ گے؟

☆☆☆

محمد اشفاق راشد۔حیدرآباد

رحمٰن جامیؔ

رسوائی میرے ساتھ ہے توبہ کے بعد بھی
جامی ملا ہے مجھ کو یہ انعام میکدہ

خوش فکر، پرگو شاعر رحمٰن جامی کا نام عبد الرحمٰن تخلص جامی اور قلمی نام رحمٰن جامی ہے۔ جامی 18 اکتوبر 1934ء کو ریاست حیدرآباد کے ضلع محبوب نگر میں پیدا ہوئے۔ بحیثیت منیجر اکاونٹس اینڈ اڈمنسٹریشن خدمات انجام دیں۔ ان کا شعری مجموعہ ''جام انا'' جو 1990ء پر مشتمل شائع ہو چکا ہے جس پر اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش نے انہیں انعام سے سرفراز کیا۔ ''قسطاط'' مجموعہ (اصناف سخن) 2001ء میں ارغن (اصناف شاعری) 2002ء میں سبو (مجموعہ کلام) 2002ء ان کے اور دو شعری مجموعے ''بے خودی'' (عنوان کی غزلیں) اور'' دو آبہ'' (عنفوان شباب کی نظمیں) 2005ء میں زیور طباعت سے آراستہ نوشت ہو چکے ہیں۔ خودنوشت سوانح عمری ''یہ جہاں رنگ و بو'' ''پیوند'' کہانیوں کا مجموعہ اور'' نکات ہنر'' (تنقیدی مضامین) بشمول 12 مجموعہ کلام منصۂ شہود پر آچکے ہیں اور قبولیت کی سند حاصل کر چکے ہیں اور ان سب پر انعامات و اعزازات سے نوازے گئے۔ رحمٰن جامی نے اردو شاعری کی ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے جو ان کو دوسرے شعراء نے تمیز کرتی ہے۔ انہوں نے حمد، نعت، منقبت، غزل، پابند نظم، آزاد نظم، مصری نظم، نثری نظم، رباعیات، قطعات، سانیٹ، ماہیے، ہائیکو، ثلاثی، مرثیے اور اینٹی لوری اصناف میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ رحمٰن جامی نے نہ صرف مروجہ اصناف سخن بلکہ بیرونی ممالک کے ادب سے درآئی ہوئی اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔

جامی کی مناجات کا ایک شعر ملاحظہ ہو جس میں اس بندہ عاجز کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔

جہاں کے آگے نہ کر مجھ کو اور شرمندہ
براہوں میں تو بہت تو میری مثال نہ دے

مندرجہ بالا شعر میں لفظ ''اور'' کی معنونیت اور حیت روح و دل کو تڑپاتی ہے اور پھر التجا بھی کرتے ہیں۔

میرے وجود سے لے کام حسن کاری کا
ضرر کسی کو بھی پہنچانے کا خیال نہ دے

گنبد خضری کا دیدار ہے جو افتخار نصیب ہوا تو جامی نے حقیقت افروز احساس کو اس طرح قلمبند کیا ہے۔

یہاں عشق جامی مکمل ہوا
جنوں کی صداقت مدینہ میں ہے
خدا جس پر عاشق ہوا ہے وہی
حسین ایک صورت مدینہ میں ہے

امام حسین کی خدمت میں وہ گلہائے عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

لکھی ہے اپنے خون سے صداقت کی داستاں
تقدیر دو جہاں ہے نواسہ رسولؐ کا

ہر دور میں حق و صداقت کا امتحان
جامی خود امتحاں ہے نواسہ رسولؐ کا

انہوں نے شخصی مرثیے بھی لکھے ہیں۔ اپنے بھتیجے محمود کی یاد میں انہوں نے مرثیہ لکھا ہے۔

چھین کر کون لے گیا تم کو
کوئی ملتا نہیں نشاں محمود
تم نہیں تو سونا سونا ہے
'الحرا' کا یہ آشیاں محمود

جامی نے چھوٹی اور بڑی ہر دو بحروں میں غزل گوئی کی ہے۔ دو غزلہ، چھ غزل غزلیں بھی لکھی ہیں۔ جامی غزل کی راہ پر یقین رکھتے ہیں اور عزم کے پکے تھے۔

در پا چڑھا ہوا تھا مگر عزم تھا میرا
کشتی میری حیات کی جو پار اتر گئی

جامی کا یہ قطعہ بند ہمارے سماج کی وہ متحرک تصویر ہے جو دل ونظر کو نہیں بلکہ روح کو بھی زخمی کرتی ہے ملاحظہ کیجئے۔

آج بھی سو مر گئے ایک کا اظہار ہے
جھوٹی خبروں سے بھرا آج کا اخبار ہے

ان کی پابند نظم جو سابق ریاستی وزیر اعلی چندرا بابو نائیڈو کے بیان سے متاثر ہو کر انہوں نے لکھی تھی جس میں انہوں نے کہا تھا کہ شہر حیدرآباد کو سنگاپور کی طرز پر ترقی دی جائے گی۔

شہر اپنا بنے گا پرنور
مان لینے پر ہوگئے مجبور
سن کے نعرہ ہوئے یوں مسرور
گو یا گم نام تھے ہوئے مشہور
ہوگئے اپنے آپ پر مغرور
حیدر آباد بنے گا سنگاپور

جامی کی نظمیں ظرف، آج کا شہر، بلیک بورڈ، جھوٹ، عصر حاضر کی روح کو سمیٹی ہوئی نظمیں کہلانے کی مستحق ہیں۔ 'آج کا شہر' آزاد نظم کا ایک بند ملاحظہ ہو۔

ہر ایک رہ گزر مادوں کی جائے پناہ
ہجوم حسن پریشاں اک نمائش گاہ
جہاں پہ آئے خودی ہوگئی ہے خود ہی تباہ

ان کی نثر نظم جھوٹ ملاحظہ ہوں۔

کسی بات کو ثابت کرنے کے لئے فرض کرنا پڑتا ہے۔ (جس سے ریاضی کا گہرا تعلق ہے) فرص کرنے اور جھوٹ بولنے میں کوئی زیادہ فرق نہیں۔ رحمان جامی کی ایک رباعی ملاحظہ کیجئے۔

ہوتے ہیں۔ خوات سے مری ہیں جہاں اوراق ادث
انہوں نیرحمان جامی کی ایک رہائی ملاحظہ کیجئے۔

مشہور ہیں اس دور میں ہم بھی جامی
منصور ہیں اس دور میں ہم بھی جامی
اللہ کو جو منظور ہے وہ ہوگا
مجبور ہیں اس دور میں ہم بھی جامی

صنف سائیٹ چار چار مصرعوں کے بعد اور آخر میں ایک شعر پر مشتمل ہوتی ہے۔ ابتدائی تین بند کے ہر چار مصرعوں کی ترتیب اس طرح ہوتی ہے کہ اور چوتھا دوسرا اور تیسرا مصرعہ ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔ تین بند کے آخری تین شعر ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتا ہے۔ ذیل میں جامی کی سانیٹ ایک بند پیش خدمت ہے۔

عالم عالم ذکر ہے تیرا
تیرا اونچا نام ہوا ہے
نیک تیرا ہر کام ہوا ہے

بزم میں پیہم ذکر ہے تیرا

جامی کا لکھا ترائیلہ جو آٹھ مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے، 'خواہش' ملاحظہ کیجئے۔

صبا تجھ کو اب آجا بند کرلوں
بہت آوارگی اچھی نہیں
چمن میں اپنے ہی پابند کرلوں
صبا تجھ کو اب آجا بند کرلوں
کھلا دروازہ اپنا بند کرلوں
گلوں سے دوستی اچھی نہیں
صبا تجھ کو اب آجا بند کرلوں
بہت آوارگی اچھی نہیں

رحمٰن جامی خود احتساب شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک باشعور نقاد، افسانہ نگار اور انشاء پرداز تھے۔ ان کی شاعری کا مطالعہ ہمیں عصر حاضر کی روح سے واقف اور وقت کے تقاضوں سے شناسا شاعر سے تعارف کراتی ہے اور یہ احساس دلاتی ہے کہ شاعری کا میدان راز اس جولانی فکر کے سامنے بازیچہ اطفال ہے۔ ''رحمٰن جامی کی شاعری روایتی تجربے ایک تنقیدی مطالعہ'' کے موضوع پر محترمہ عائشہ صدیقہ سرنے یونیورسٹی آف حیدرآباد سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ رحمٰن غزلہ اور جامی کا حلقہ ملانہ کافی وسیع ہے۔ قدیر انصاری صاحب مرحوم ان کے بہت قریبی شاگرد مانے جاتے تھے۔ جامی اپنے وقت کے مشہور قاری محمد عبدالعلیم صاحب کے چھوٹے بھائی تھے۔ 20 جنوری 2021ء میں یہ شمع شعروادب گل ہوگئی۔

بنا ہوں بگڑ کر یوں رحمٰن جامی
اب اپنی جگہ ایک شہکار ہوں میں

سید نوید جعفری۔ حیدرآباد

غزل

خود کلامی کی نئی جہت مہیا کرکے
مجھ کو صحراء نے بلایا ہے تقاضہ کرکے
شدتِ غم کی اذیت سے کنارہ کرکے
آنکھیں چپ چاپ ہیں اشکوں سے پکارا کرکے
وجد میں جانے کہاں بھول گیا اپنا وجود
جینا آساں بھی نہیں تھا ہوش اکٹھا کرکے
دل نے دھیرے سے ترا نام لیا آخرِ شب
موت بالیں سے پلٹتی ہے بہانہ کرکے
میں بھٹکتا ہوں تری یاد میں ساحل ساحل
تو کہاں کھوگیا اے دوست کنارہ کرکے
خوگرِ ورد ہوں میں اپنی محبت کے طفیل
آپ شرمندہ نہ ہوں میرا مداواہ کرکے
میں قلم ہوکے قدم روک نہیں پاتا ہوں
کب سفر پاؤں میں باندھا تھا ارادہ کرکے
کس نے صحراء میں یہ خوشبو کا کرشمہ دیکھا
پھیل جاتی ہے سرابوں کو اشارہ کرکے
اس کو پالینے کے ارمان کو پالا ہے نوید
سارے ارمانوں سے بیٹھا ہوں کنارہ کرکے

فاروق طاہر۔حیدرآباد،انڈیا

بچوں میں ذہانت کا فروغ کیوں اور کیسے؟

اکثر لوگوں نے یہ غلط فہمی پال رکھی ہے کہ آدمی کے اندر دانش و بینش (عقل و ذہانت) ایک محدود وقت یا عمر تک ہی فروغ پاتی ہے۔اس رواجی فکر کا میں خود بھی ایک عرصے تک اسیر رہا۔ اگر ایک واقعہ میرے ساتھ نہ پیش آتا تو میں بھی شاید عمر بھر اسی رواجی فکر سے چمٹا رہتا۔

چند سال قبل مجھے ایک ورکشاپ کے سلسلے میں دوسرے شہر جانا پڑا۔وہاں تین دنوں تک میرا قیام رہا۔پہلے دن کے تھکا دینے والے افتتاحی سیشن کے بعد جب مجھے کچھ فرصت ملی تو کالج میں زیر تعلیم ایک لڑکا مجھ سے ملاقات کے لیے آ پہنچا۔ورکشاپ کے اختتام بلکہ میری واپسی تک یہ میرے ساتھ ہی رہا۔دوران قیام یہ لڑکا میرے تمام کاموں میں معاون و مددگار بھی رہا۔میرے سامان اور دیگر اشیا کی دیکھ بھال کرتا۔میرے کئی چھوٹے موٹے کام بھی اس نے سرانجام دیئے۔میرے ساتھیوں کے خیال کے مطابق یہ ایک معمولی لڑکا تھا۔کسی خاص قسم کی عقل و دانش،قابلیت وذہانت اس کے اقوال وافعال سے ظاہر نہیں ہوتی تھی۔میرا خیال بھی اپنے دیگر ساتھیوں سے کچھ مختلف نہ تھا۔

ورکشاپ سے واپسی کے بعد بھی چند دنوں بلکہ مہینوں تک یہ لڑکا میرے رابطے میں تھا۔ایک سافٹ ویئر کمپنی میں اسے ملازمت مل گئی اور ہمارے روابط انحطاط کا شکار ہوگئے۔دوسال بعد ایک دن اچانک ہماری ملاقات ہوئی۔اس میں کئی حیران کن تبدیلیوں کو میں نے محسوس کیا۔اس کے چہرے،باڈی لینگویج،اقوال وافعال سے بالیدگی اور ذہانت ومتانت ٹپک رہی تھی۔

خاص موقعوں پر کیسے پیش آتے ہیں،کس طرح سے بات کی جائے،اپنا ردعمل کیسے رکھیں اس کے لیے خاص بالیدگی اور ذہانت کی ضرورت درپیش ہوتی ہے۔لڑکے کے برتاؤ،اس کے طرزعمل سے میں نے اس کی ذہانت اور بالیدگی کے فروغ وارتقاء کو نمایاں محسوس کیا۔

ذہانت کیا ہے؟

عموماً ذہن نشینی کی قوت یا قوت انجذاب (Grasping Power) کو ذہانت سے باور کیا جاتا ہے۔اس کے علاوہ بھی ذہانت کے کئی اور معنی ومفاہیم پائے جاتے ہیں۔ذہانت کے بارے میں بات کرنے سے پہلے ہم ذہن نشینی کی قوت(قوت انجذاب،قوت یاداشت) کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ہمیں اپنے موضوع (ذہانت) کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

جب ہم اپنی کسی بات یا نکتے کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں یا جنہیں ہم سمجھاتے ہیں ان میں سے چند افراد فوری طور پر بات کو سمجھ جاتے ہیں اور بعض اسے جلد نہیں سمجھ پاتے۔اس حقیقت کا کئی بار میں نے اپنے ورکشاپس میں بھی مشاہدہ کیا ہے۔اگر کوئی لطیفہ سنایا جائے تو بعض فوری ہنسنے مسکرانے لگتے ہیں جب کہ چند افراد ہنسنے،مسکرانے والوں کے چہروں کو دیکھتے ہیں۔ایسا کیوں ہوتا ہے؟ یہ صورت حال

وقتی طور پر عامل قوت انجذاب (Grasping Power) کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

قوت انجذاب/ذہن نشینی کی صلاحیت (Grasping Power)

ورکشاپ کے دوران ملاقات کرنے والے اور چند سال بعد ملاقات کرنے والے لڑکے کی قوت انجذاب میں ،میں نے نمایاں فرق محسوس کیا۔گفتگو کے دوران جو بھی اس سے کہا گیا اسے وہ فوری طور پر اپنی ذہنی دسترس میں لیتے ہوئے بڑے سلیقے وقرینے سے جواب دے رہا تھا۔چند سال پہلے میری جس لڑکے سے ملاقات ہوئی تھی اب یہ وہ لڑکا نہیں تھا۔اس ملاقات نے میری خیالات ونظریات (جن پر میں ایک طویل عرصے سے تحقیق میں لگا تھا) کو بدل کر رکھ دیا۔ اس ملاقات کی وجہ سے چند سوال میرے ذہن کے نہاں خانے سے باہر نکل آئے۔

(1) بچوں میں ذہانت ترقی کرتی ہے تو تب حقیقت میں کیا ہوتا ہے؟

(2) ذہانت کس عمر میں نشوونما پاتی ہے؟ ذہانت کس عمر تک ترقی پاتی رہتی ہے؟

ان سوالات پر جب میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ذہانت کی نشوونما میں عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک آدمی چالیس پینتالیس سال کی عمر میں اپنے رگ پٹھوں (عضلات،Muscles) کو مزید بہتر بناتا ہے۔جسم کے رگ پٹھوں وعضلات (Muscles) کو جس طرح اپنی محنت سے ایک آدمی بہتر بنا سکتا ہے بالکل اسی طرح آدمی اپنی محنت سے ذہانت، بالیدگی اور پختگی میں مزید اضافہ کرسکتا ہے۔والدین،اساتذہ،تعلیم وتربیت اور شخصیت سازی کے کاز سے وابستہ افراد اگر اس اہم نکتے کو بہتر طریقے سے سمجھ لیں تو انھیں کسی بھی بچے کی ذہانت کو فروغ دینے میں دشواری پیش نہیں آئے گی۔

ذہانت کا غلط جگہ پر استعمال

اکثر والدین سے میں نے یہ شکایت سنی ہے کہ ان کا بچہ ذہین تو ہے لیکن جہاں ذہن کو استعمال نہیں کرنا چاہیے اسے وہاں استعمال کرتا ہے۔جہاں دماغ کو کام میں لانا چاہیے وہاں اسے کام میں نہیں لاتا۔اس طرح کی شکایات عام ہیں۔ہمیں اس شکایت کی تہہ تک پہنچنے اور اسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔یہ شکایت بالکل درست ہے اور جس بچے سے یہ شکایت ہے اس کا بھی اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ اکثر وبیشتر حالات میں مسئلہ کچھ اور ہی ہوتا ہے۔

شکایت کرنے والے والدین سے میں نے پوچھا ’’بچہ ذہین ہے‘‘ اس کا دماغ بھی اچھا ہے تو پھر بتایئے کہ اپنے دماغ کو یہ کہاں استعمال کرتا ہے؟

انھوں نے فرمایا’’ آپ اسے اگر کوئی اشتہار پڑھ کر سنانے کو کہیں تو یہ اسے فوراً یاد کرلیتا ہے۔ویڈیو گیمز کھیلنے میں اسے کوئی مات نہیں دے سکتا۔ہماری گلی کے بچوں میں کسی کے پاس بھی ویڈیو گیمز کھیلنے کی ایسی مہارت وصلاحیت نہیں ہے۔

ایک اور ماں نے مجھے بتایا’’میں روزانہ پریشان رہتی ہوں کیونکہ میرا بچہ اسکول میں آئے دن نت نئے مذاق (Pranks) کرتا رہتا ہے۔ہر دن مجھے ڈر لگا رہتا ہے کہ اسکول سے آج کوئی شکایت نہ آجائے۔مذاق وشرارت کے وقت بچہ اپنے دماغ کو کیسے استعمال کرے گا اس کی پیش قیاسی ممکن نہیں ہے۔وہ مذاق اور شرارت کے وقت ایسے تخلیقی

طریقے(Innovative Techdniques) استعمال کرتا ہے کہ سبھی دنگ رہ جاتے ہیں۔ٹیچرس بھی اپنی نجی گفتگو میں اس کی تعریف کیے بغیر نہیں رہتے۔جب اسی تخلیقیت کو اسے پڑھائی میں بروئے کار لانے کو کہا جاتا ہے وہ اسے استعمال نہیں کر پاتا۔اس کی تخلیقی صلاحیتیں کہیں اور استعمال میں آئیں گی لیکن پڑھائی میں ہرگز نہیں"۔

اس طرح کے سوالات کرنے والے والدین ہر گھر میں مل جائیں گے۔آیئے اس شکایت کی اصل وجہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

1۔ ہر بچے کے پاس ذہانت پائی جاتی ہے لیکن وہ ظاہر نہیں ہو پاتی۔

2۔ کن حالات میں بچہ ذہانت کو استعمال میں لاتا ہے، اسے سمجھنا بہت ضروری ہے۔

پہلا طریقہ:

عقل و دانائی کا راست تعلق اعتماد سے ہے

بچوں میں ذہانت کو فروغ دینے یا پھر اسے درست سمت دینے سے پہلے ہمیں علم ہونا چاہیے کہ بچوں میں ذہانت کے فروغ کا عمل کب انجام پاتا ہے اور کب نہیں۔ایک اچھا مالی پودوں کی بہتر نشو و نما کے لیے نہ صرف زمین کو زرخیز بنانے کے جتن کرتا ہے بلکہ اس کی مناسب نگہداشت پر بھی توجہ دیتا ہے۔وہ کاشت کے دوران زمین کو ہر طرح کی کثافتوں اور دباؤ سے محفوظ رکھتا ہے۔"زمین کو مناسب مقدار میں پانی اور ہوا مل رہی ہے یا نہیں، اس بات پر اس کی گہری نظر رہتی ہے۔بچوں کے بارے میں بھی ہمارا بالکل یہ ہی معاملہ ہونا چاہیے۔

ہر بچے میں ذہانت ہوتی ہے۔ہم جانتے ہیں کہ فطری طور پر ہر بچہ ذہانت لے کر اس دنیا میں آتا ہے۔یعنی زمین پہلے ہی سے زرخیز ہے۔بس ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ بچے کی ذہانت میں کب اضافہ ہو رہا ہے اور کب نہیں۔

ہر بچے میں آنکھ، کان ناک، زبان ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔تمام بچے اپنے ہاتھ اور پاؤں ایک ہی طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔اسی طرح تمام بچوں کے دماغ بھی ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔جب دماغ ترقی پاتا ہے تو ذہانت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔بچوں کے ذہن ترقی پاتے ہیں تو ان میں اعتماد پروان چڑھتا ہے۔اعتماد بچوں میں ذہانت کو تیزی سے پروان چڑھاتا ہے۔پہل نہ کرنے والے، خوف زدہ، کم اعتماد والے بچے اپنی ذہانت کو استعمال کرنے سے کتراتے ہیں۔بچوں کا شرمیلا پن بھی انھیں اپنی ذہانت کے استعمال سے باز رکھتا ہے۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں "جو چیز استعمال میں نہیں آتی وہ شئے ترقی بھی نہیں کرتی"۔اس لیے ضروری ہے کہ بچوں کی ذہانت میں اضافہ و فروغ کے لیے ان کے اعتماد کو پروان چڑھایا جائے۔ان کی ذہانت کو فروغ دینے کے وافر سامان مہیا کیے جائیں۔

ہمارے برتاؤ اور طرز عمل سے بچوں کے اعتماد میں اضافہ ہوتا ہے۔ہم ان سے جیسا برتاؤ کریں گے اور جو افکار و خیالات ان کے ذہنوں میں منتقل کریں گے ان میں اسی قسم کا اعتماد اور فکر پیدا ہوگی۔اعتماد باہر سے حاصل کرنے والی شئے نہیں ہے بلکہ یہ اعتماد ہمارے اندر ہوتا ہے۔اسے پیدا کرنے اور پروان چڑھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

حیدرآباد (دکن) میں اساتذہ (لکچررس اور پروفیسرس)

کے ایک ورکشاپ کے دوران ایک خاتون پروفیسر نے مجھ سے پوچھا ''میری ایک چار سالہ لڑکی ہے۔ ڈرپوک ہے اور اس میں اعتماد کی کمی ہے''۔ یوں سمجھ لیجیے کہ یہ ورکشاپ میں موجود ہر فرد کا سوال تھا۔

میں نے خاتون پروفیسر سے پوچھا ''کیا میں کل صبح آپ کے گھر ناشتے کے لیے آسکتا ہوں''۔ محترمہ نے کہا ''ہاں، ہاں، کیوں نہیں آپ بالکل آسکتے ہیں''۔ ''کل آپ میرے لیے کیا پکائیں گی؟''

''آپ بتایئے کیا پکاؤں؟ لذیذ حیدرآبادی بریانی یا پھر چاول، کھٹی دال اور تلا ہوا گوشت؟'' میں نے کہا ''کیا آپ بریانی مجھے ایک عام سی پلیٹ میں پیش کریں گی یا پھر کسی خاص پلیٹ میں سرو (Serve) کریں گی؟''۔ خاتون پروفیسر مسکرائی اور کہا ''مہمان کو کھانا تو خاص پلیٹس (برتن) میں ہی سرو (پیش) کیا جاتا ہے۔ خاص پلیٹس میں کھانا پیش کروں گی''۔ میں فوراً پروفیسر صاحبہ سے پوچھ بیٹھا کہ اگر اس وقت آپ کی چار سالہ بیٹی خاص پلیٹ میں مجھے بریانی سرو (پیش) کرنا چاہے تو کیا آپ اسے ایسا کرنے کی اجازت دیں گی؟''۔ خاتون کے چہرے کے تاثرات بدل گئے، انھوں نے کہا ''میں بھلا کانچ کی پلیٹس کس طرح اسے دوں گی۔ وہ اسے توڑ دے گی اور خود کو بھی زخمی کرلے گی''۔ میں نے کہا ''اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی بیٹی سے کہہ رہی ہیں کہ تم کانچ کے برتن سنبھالنے کے لائق نہیں ہو''۔ پروفیسر صاحبہ کے ماتھے پر کئی سوال نمودار ہوئے۔

اکثر والدین اپنے بچوں کو محسوس یا غیر محسوس، دانستہ یا غیر دانستہ طور پر کہتے ہیں کہ تم یہ کام کرنے کے قابل نہیں ہو۔ والدین بچوں سے جو بھی کہتے ہیں ان کے لیے وہ الفاظ پتھر کی لکیر بن جاتے ہیں اور ان کے ذہنوں میں گھر کر جاتے ہیں۔

کانچ کی پلیٹ کی قیمت کیا ہوگی؟ پچیس روپے، پچاس یا پھر سو روپے۔ اگر اس موقع پر بچی میں اعتماد پیدا ہوجاتا ہے تو بتایئے کہ اس کی قیمت ہوگی؟ اگر کانچ کی پلیٹ ٹوٹتی ہے تو پچیس، پچاس یا سو روپے کا نقصان ہوگا۔ اگر لڑکی کا اعتماد مجروح ہوگیا اور اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ وہ یہ کام نہیں کرسکتی ہے تو بتایئے کہ اس کا کتنا نقصان ہوگا؟ اس نقصان کی پابجائی آپ کریں گی یا پھر عمر بھر آپ کی بیٹی کرے گی؟

حال میں موجود سبھی تعلیم یافتہ بلکہ تعلیم دینے والوں نے برملا اعتراف کیا کہ ایسے کئی واقعات ان سے سرزد ہوئے ہیں اور انھوں نے غیر دانستہ طور پر بچوں کو اعتماد سے دور کردیا ہے۔ پھر بتایئے کہ کیا کیا جائے، کانچ کی پلیٹ بھی نہ ٹوٹے اور کام (اعتماد بھی فروغ پائے) بھی ہوجائے۔

ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

بچوں کو بتایا جائے کہ شیشے کیوں ٹوٹ جاتے ہیں۔ پلاسٹک کی اشیاء کیوں نہیں ٹوٹتی۔ کانچ کی پلیٹوں کو کیسے سنبھالا (ہینڈل کیا جائے) جائے کہ وہ ٹوٹنے سے بچے۔ آپ بچوں کو جب یہ معلومات فراہم کریں گے تو نہ صرف ان کی معلومات میں اضافہ ہوگا بلکہ دو وجہ سے ان کے اعتماد میں اضافہ ہوگا۔

1۔ درست معلومات کی فراہمی سے اعتماد بڑھے گا۔

2۔ دوسرا کام کی تکمیل سے حاصل ہونے والی خوشی جو ان کے چہروں پر دیکھی جاسکتی ہے اس سے بھی اعتماد میں اضافہ ہوگا۔

گھر میں آئے ہوئے مہمانوں کو ایک چھوٹی بچی کشتی (ٹرے) میں بڑے سلیقے سے انھیں جب کھانا پیش کرے گی۔ یہ دیکھ کر تو سبھی مہمان اور گھر کے افراد خوش ہو جائیں گے اور اس کی تعریف کریں گے۔ تمام لوگ برملا کہیں گے ایک چھوٹی سے لڑکی نے کس خوبی سے ٹرے کو سنبھالا اور کتنے سلیقے سے کام کو انجام دیا ہے۔ مہمانوں کا بے ساختہ ردعمل اور تعریف بچی کے ذہن پر نقش ہو جائے گی اور اس میں کبھی نہ تھکنے اور مرنے والا اعتماد پیدا ہو جائے گا۔

بچوں کی منفی ذہنیت اور ناچاری کی وجہ والدین کا بے جا خوف وفکر مندی

غیر دانستہ طور پر بچوں کے اعتماد کو کچل دینے اور پسپا کرنے والی مثالیں اکثر گھروں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ایک واقعہ جو میں نے گرمیوں کی چھٹیوں میں دیکھا اس کا یہاں ذکر بے محل نہ ہوگا۔ اپنے بیٹے کو پیراکی سکھانے کی خاطر میں سوئمنگ پول لے گیا۔ وہاں کوئی پیراکی کر رہا تھا تو کوئی پیراکی کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک دس سال کے بچے کو اس کے والدین پیراکی (سوئمنگ) سکھانے لائے ہیں۔ خوش گوار ماحول تھا لیکن بچے کی ماں کافی پریشان اور متفکر دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے کئی بار اپنے بچے سے کہا کہ اکیلے پانی میں مت جاؤ، گہرائی میں مت جاؤ۔ یقیناً وہ اپنے بچے کی حفاظت کے لیے فکر مند تھی۔ اس کے چہرے، الفاظ اور باڈی لینگویج (جسمانی حرکات) سے اس کی پریشانی کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ بچے کو سوئمنگ کاسٹیوم پہنا کر جب اس کا باپ سوئمنگ پول کے قریب پہنچا۔ بچہ پانی میں (سوئمنگ پول) میں اترنے کو تیار نہیں تھا۔ وہ زار و قطار رو رہا تھا۔ باپ کی لاکھ کوششوں کے باوجود بھی وہ پانی میں نہیں اترا۔

اعتماد پیدا کرنے کا مثبت طریقہ

اسی وقت میرا بیٹا بھی چینج چنگ روم سے مسکراتا ہوا نکلا۔ سوئمنگ کاسٹیوم پہن کر خوشی اور جذبے کے ساتھ پیراکی کے لیے مکمل تیار تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا، کیا میں پانی میں چھلانگ لگا سکتا ہوں۔

میں مسکرایا اور اس کی کمر کے گرد سوئمنگ ٹیوب ڈالی، ہاتھوں میں ائیر بلونس پہنائے اور کہا بھاگو اور پانی میں کود جاؤ۔ بغیر کسی تاخیر کہ وہ بھاگتے ہوئے آیا اور پانی میں چھلانگ لگا دی۔ اگلے ہی لمحے وہ پانی کی سطح پر تیر رہا تھا۔ میں اس کے بالکل قریب موجود رہا۔ میرے قریب موجود لوگ مجھ سے پوچھنے لگے آپ کا بچہ کتنے دنوں سے پیراکی (سوئمنگ) کر رہا ہے۔ میں نے کہا "یہ اس کا پہلا دن ہے" لوگ حیران تھے کہ بچے نے کس طرح سے اتنی ہمت دکھائی اور پانی میں چھلانگ لگا دی؟ وہ پانی سے کیوں نہیں ڈرا؟

میرے بیٹے کے پانی میں چھلانگ لگانے کی واحد وجہ یہ تھی کہ میں نے یا میرے گھر میں کسی نے بھی اسے پانی میں کودنے سے منع نہیں کیا۔ مجھے یقین تھا کہ حفاظتی اقدامات کے بعد وہ سب کچھ آسانی سے کر لے گا۔ میں حفظ ماتقدم کے تحت بالکل چوکنا تھا۔ بچے پر اپنی فکر مندی اور تشویش کو میں نے بالکل بھی ظاہر نہیں ہونے دیا۔

اس کے برخلاف وہ بچہ والدین کے بارہا اصرار پر پانی میں اترنے کو ہرگز تیار نہیں تھا۔ آخر کار کوچ نے اسے اپنے کندھوں پر بٹھا لیا اور سیڑھیوں کے کنارے سے پانی میں داخل ہوا۔ بچہ مسلسل روئے جا رہا تھا اور چیخ رہا تھا۔ وہ

سوئمنگ ٹیوب پہن کر بھی پانی میں اترنے کو تیار نہیں تھا۔ جہاں سوئمنگ پول کے کنارے وہ لڑکا پائپ پکڑے مسلسل روئے جارہا تھا وہیں میرا بیٹا اپنے ہاتھوں پر ہوا سے بھرے غبارے(Air Baloon) لگائے پانی میں ہاتھ پیر مارے ادھر ادھر حرکت کررہا تھا اور پیراکی کا مکمل لطف لے رہا تھا۔ میری طرح اس لڑکے والدین بھی چاہتے ہیں کہ ان کا بچہ نہ روئے۔میرے بیٹے کے طرح ان کا بچہ بھی سوئمنگ کا مزہ لے۔لیکن یہ سب ہماری روزمرہ کی گھریلو گفتگو، رویے، ہمارے الفاظ اور ہمارے خیالات کا نتیجہ ہے۔بچوں میں منفی رجحان پیدا ہوگا اگر ہم انہیں کہیں گے کہ یہ مت کرو، وہ نہ کرو۔ان میں مثبت سوچ فروغ پائے گی اگر ہم کہیں گے کہ آپ یہ، اور وہ کر سکتے ہیں۔اس طرح بچوں میں اعتماد پیدا ہوگا۔ایک مہینے تک لگاتار میں اپنے بیٹے کو سوئمنگ پول لے جاتا رہا۔میں نے دیکھا وہ بچہ ایک مہینے کے آخر تک بھی پیراکی نہیں سیکھ پایا۔میرا لڑکا جہاں چار پانچ دن میں بغیر کسی حفاظتی سامان کے تیر رہا تھا وہیں ایک مہینے کے بعد بھی وہ لڑکا کم گہرائی والے پانی میں تیرنے کے بجائے اپنے پیروں پر چل رہا تھا۔

میں نے یہاں صرف ایک مثال پیش کی ہے ایسے واقعات ہمارے گھروں میں روزانہ ہوتے رہتے ہیں اور والدین بچوں کے ذہنوں میں غیر دانستہ طور پر منفی رجحانات انڈیلتے رہتے ہیں۔باشعور والدین ہر وقت اپنے بچوں میں اعتماد پیدا کرنے کے جتن کرتے ہیں۔والدین بچوں میں اعتماد پیدا کرنے کے لیے وہ سب کچھ کریں جو کچھ وہ کر سکتے ہیں۔ذہانت پھر خود بخود ترقی کرے گی۔اعتماد پروان چڑھے گا تو ذہانت اپنے آپ فروغ پائے گی۔

علی بابا درپن۔حیدرآباد

غزل

اب سوچتا ہوں دور پرانے کدھر گئے
وہ عمر کیا ہوئی وہ زمانے کدھر گئے

الفت خلوص پیار وفا جنکی خو میں تھی
وہ پُر خلوص دوست نہ جانے کدھر گئے

باتیں ہی رہ گئی ہیں کہانی کے روپ میں
وہ عمر کیا ہوئی وہ زمانے کدھر گئے

آداب تھے لحاظ تھا تہذیب خاص تھی
کیا ہو گیا ہے اب وہ زمانے کدھر گئے

ملتے تو ہیں' مل کر بھی کہاں' ہوتا ہے ملنا
سیل فون میں مگن ہیں نجانے کدھر گئے

موتہ میں یا شادی میں ہی ملتے ہیں آج کل
مل جھل کے بیٹھنے کے بہانے کدھر گئے

ہر دور میں یہ دور بدل جاتا ہے درپنؔ
آخر حقیقتوں کے فسانے کدھر گئے

سید عظمت اللہ بیابانی۔ وجئے نگر کالونی، حیدرآباد

تعلیمات

اولاد اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ماں باپ کے لئے ایک تحفہ ہے۔ اس تحفے کو حاصل کرنے کے لئے ماں باپ بے انتہا اللہ تبارک وتعالیٰ سے سربسجود ہوتے ہوئے دعا کرنے سے تھکتے نہیں۔ کئی ایسے والدین ہیں جن کی گود میں اولاد کے کھیلنے کے لئے ترس جاتے ہیں۔ بس وہ خوش نصیب والدین ہیں جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ اولاد بخشتے ہیں۔

اولاد کی پرورش کے لئے ایسے نمونوں کی شدت سے ضرورت پڑتی ہے تاکہ یہ اولاد آئندہ پروان چڑھ کر اپنے والدین کے احترام کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ اُن کے عمر رسیدہ اوقات میں سہارے کا عصا بنیں۔ اس دنیا کی متبرک اور عالیشان مجسمۂ ادب وشفاعت حضور پاک ﷺ کی حیات طیبہ میں ملتا ہے۔ آپ ﷺ کی نورِ نظر خاتون جنت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حالات پر نظر ڈالیں تب ایک بیٹی ہونے کے ناطے اور باپ کی شکل میں بہت کچھ ہم کو سیکھنے کا راستہ ملتا ہے۔

یہ وہ زمانہ ہے جب لوگ اپنی بیٹیوں کو ایک بوجھ ہی نہیں بلکہ شرمندہ کرنے والی جنس مانتے تھے۔ ہمارا ہی وہ طریقہ ہے جو حضور پاک ﷺ نے بیٹیوں کو گھر کی ملکہ بنانے کا سبق دیا ہے۔ سب کو عبرت دینے کے لئے خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک چھوٹی سی بات یہ ہے کہ آپ نے اپنے نیم خدا سے ایک فرمائش کی کہ اپنی وفات کے بعد فلاں جگہ رکھی ہوئی چٹھی کو دیکھ لیا جائے۔ جب آپ پردہ فرمائیں، حسبِ فرمائش، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس چٹھی کا معائنہ کیا جس میں یہ خواہش ظاہر کی گئی کہ اُن کو میت کا جنازہ سورج کے ڈھلنے کے بعد تب تاریکی پھیلنا شروع ہوتی ہے، اُس وقت اُن کی تجہیز وتکفین کا عمل کیا جائے۔ وہ حضور پاک ﷺ کی لختِ جگر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محل نہیں چاہتی تھیں کہ کسی غیر کی نظر اُن کے جسم اطہر پر پڑے۔

ایسا نہیں ہے کہ اپنی عورتیں حالات کے لحاظ سے مذہبی احاطہ میں رہتے ہوئے کارِ خیر میں حصہ نہ لیں۔ اور قوموں کے لوگ جن کو اللہ تعالیٰ پہ اتنا اعتماد نہیں جتنا کہ ہونا چاہئے، انہوں نے ایسے ایسے راستے بنوائے جس پر اللہ والے شکار ہو جائیں۔ مثلاً واٹس اپ ایسا ذریعہ ہے جس کی فیس نہیں لگتی، سوشل میڈیا میں بتلانے اور دکھلانے کے مواد، جلسے اور سمینار ہیں، اس کا اثر ہماری اولاد پر منفی اثر ڈالنے میں بڑا کردار ادا کرتا ہے۔ اگلے دنوں مدرسوں اور اسکولوں میں ہماری وہ باتیں پڑھائی اور سنائی جاتی تھیں جو آج کل بلکل نہیں۔ کچھ کالجوں اور اسکولوں میں اسمبلی کے وقت حمد اور نعت کے بعد احادیث کا بھی ذکر ہوا کرتا تھا جو آج کل نہیں کیوں کہ حکمرانوں کی ایک بڑی سازش کے تحت اِن اچھائیوں کو مدھم کرنا ہے۔ مجھے یہ کہنے دیجئے ایک بزرگ اپنی والدہ سے اجازت لیتے ہوئے اللہ کو راضی کرنے کے لئے جنگل کا راستہ لیتے ہیں۔ ابھی صبح ہونے کو ہے، فجر کا وقت ابھی نہیں ہوا۔ وہ بزرگ اپنے گھر کے دروازے کے پاس

ایس فیضانی۔شبلی کالج آعظم گڑھ

نظم

ابھی ہے وقت اٹھ اے قوم اپنا فرض پورا کر
کہاں گم ہے ادھر آ اور اپنا فرض پورا کر

اگر سوتے رہے دنیا کی اس پل بھر کی وادی میں
وجہ تم بھی بنو گے ہم مسلماں کی تباہی میں
مٹا دے نفس کا بت اور اپنا فرض پورا کر
ابھی ہے وقت اٹھ اے قوم اپنا فرض پورا کر

اٹھو دریا کی لہروں سے ابھرنے کا ہنر سیکھو
پلٹ دے رخ ہوا کا جو وہی طوفانِ گر سیکھو
گرا مینار لالچ کا اور اپنا فرض پورا کر
ابھی ہے وقت اٹھ اے قوم اپنا فرض پورا کر

جگر چیتے کا پیدا کر، نظر رکھ باز کی اپنی
تجھے اٹھنا ہے تو پھر دھن بدل دے ساز کی اپنی
لگا نعرہ اخوت کا اور اپنا فرض پورا کر
ابھی ہے وقت اٹھ اے قوم اپنا فرض پورا کر

جلا قندیل اپنے دل میں پھر روشن جہاں کو کر
جہالت سے رہا پھر ملک کے امن واماں کو کر
تغافل ترک کر اب اور اپنا فرض پورا کر
ابھی ہے وقت اٹھ اے قوم اپنا فرض پورا کر

تعصب کی اسیری سے کرو آزاد خود کو تم
تکبر کی نحوست سے کرو آزاد خود کو تم
لطافت دل میں کر پیدا اور اپنا فرض پورا کر
ابھی ہے وقت اٹھ اے قوم اپنا فرض پورا کر

گریباں چاک حق کا ہو رہا ہے ہوش میں آ جا
چمن زنگار ہے مالی ذرا اب جوش میں آ جا
ستم کا زور کر کمزور اور اپنا فرض پورا کر
ابھی ہے وقت اٹھ اے قوم اپنا فرض پورا کر

ضرورت ہے ہمارے دل میں پیدا ہو خشوع آنسو!
ہمارے دین کا ہر سو رہے سورج طلوع آنسو!
جھکا دل سر اٹھا کر چل اور اپنا فرض پورا کر
ابھی ہے وقت اٹھ اے قوم اپنا فرض پورا کر۔

آ کر رُک جاتے ہیں اور کھٹکا لگانے سے ہچکچاتے ہیں، اس لئے کہ ان کی والدہ کہیں نیند میں تو نہ ہو۔ ان کی نیند سے کہیں بیدار نہ ہو جائیں، کچھ دیر باہر رک جاتے ہیں۔ کچھ دیر بعد دہلیز کے بازو پانی بہتا ہوا دیکھ کر اپنی ماں جاگ چکی ہیں اور اللہ کا نام لیتے ہوئے انہوں دروازہ کھٹکھٹایا۔ ماں اور بیٹے کی شفقت اور محبت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ ماں اندر سے اپنے بیٹے کے دروازہ کھٹکھٹانے کے انداز سے پہچان کر اپنے بیٹے کا نام لیتی ہے اور دروازہ کھولتی ہے۔ آج کل نہ جھولا ہے اور نہ ماں کی گود۔ گھر سے باہر نکلتے وقت والدین کی دعائیں لیکر نکلا کرتے تھے، لیکن اب دوائیاں اور نسخے لیکر نکلتے ہیں۔ ماں کی گود اولاد کے بجائے موبائل فون سے لگی ہیں۔ والد صاحب ٹی وی اور واٹس اپ میں مشغول۔

دوستو! ماحول کو پھر سے پٹری پر لانے کے لئے مذہبی احاطہ کی طرف لوٹ چلنا ہے اور ماڈرن اور نئے نئے الیکٹرانک اشیاء کو کھانے میں نمک کے برابر استعمال کرنا ہے۔

☆☆☆

معصوم مرادآبادی۔ دہلی

پروفیسر شہپر رسول: شخصیت اور شاعری

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی تخلیق کار اپنے فن میں یکتا ہے تو اس کی ذاتی کمزوریوں اور عیوب کو نظرانداز کرنا چاہئے، مگر میں اس نظریہ سے متفق نہیں ہوں۔ کوئی اچھا فن کار تبھی بن سکتا ہے جب وہ اپنے کردار واطوار کے اعتبار سے بھی اچھا انسان ہو اور اس کی شخصیت آئینے کی طرح شفاف ہو۔ میں نہ تو شاعری کا پارکھ ہوں اور نہ ادب کا نقاد۔ ایک طالب علم کے طور پر شعر وادب سے استفادہ کرتا رہا ہوں اور ایسے لوگ مجھے ہمیشہ متاثر کرتے ہیں جن کے قول وفعل میں کوئی تضاد نہیں ہوتا۔ جہاں تک شاعری کا معاملہ ہے تو حقیقت یہ ہے کہ شاعری سے زیادہ مجھے شخصیت متاثر کرتی ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ شہپر رسول کی شاعری اور شخصیت دونوں نے مجھے متاثر کیا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

شہپر رسول ہمارے عہد کے ان معدودے چند شعراء میں سے ایک ہیں، جن کے شعری اور شخصی محاسن میں فرق کرنا مشکل ہے۔ وہ جتنے اچھے اور معتبر شاعر ہیں، اتنے ہی اچھے اور باوقار انسان بھی ہیں۔ ان سے میرے تعلق کا دورانیہ تین دہائیوں سے زیادہ عرصے کو محیط ہے۔ یہ وہ دور تھا جب وہ علی گڑھ میں تھے۔ ان تک میری رسائی ان کے چچا (چودھری محفوظ مرحوم) کے توسط سے ہوئی تھی۔ چودھری محفوظ جنھیں شہپر رسول 'بابو چچا' کہہ کر پکارتے تھے، ان ہی کی طرح ایک کھرے انسان تھے۔ میں نے اپنی زندگی میں جو چند بہترین انسان دیکھے ہیں، ان میں چودھری محفوظ بھی شامل ہیں۔ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں، لیکن ان کی یادیں میرے ساتھ ہیں اور جب بھی شہپر رسول سے مکالمہ ہوتا ہے تو 'بابو چچا' کے تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ چودھری محفوظ نے میرے ساتھ اردو میں ایم اے کیا تھا۔

کوئی 35 برس ادھر کا واقعہ ہے۔ شہپر رسول کا پہلا شعری مجموعہ 'صدف سمندر' منظر عام پر آیا تو انھوں نے علی گڑھ سے اس کا ایک نسخہ مجھے اپنے دستخط کے ساتھ بھیجا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب علی گڑھ میں فرحت احساس، اسعد بدایونی، آشفتہ چنگیزی، مہتاب حیدر نقوی جیسے البیلے شاعروں کا بڑا شہرہ تھا۔ ان ہی میں ایک نام شہپر رسول کا بھی تھا۔ ان کی بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ کسی 'شاعرانہ لت' کا شکار نہیں تھے۔ شاعری ان کے لیے وقت گزاری کا بھی ذریعہ نہیں تھی بلکہ وہ پوری طرح ڈوب کر شعر کہتے تھے۔ بقول خود:

> ''شعر اس لمحہ برکت کا انعام ہے کہ جس ایک لمحہ میں جذبہ تخلیق ذہنی، دلی، ظاہری اور غیر ظاہری دنیاؤں کے سمندر کو کھنگال کر گوہر نایاب نکال لاتا ہے اور یہ بابرکت لمحہ مجھ سے گزشتہ پندرہ سولہ برسوں سے متعارف ہے۔'' (صدف سمندر ص 11)

یہ وہ دور تھا جب شہپر رسول کی شاعری لڑکپن کے دور سے گزر رہی تھی۔ انھوں نے اپنی کوئی بیاض بھی نہیں بنائی تھی بلکہ شعر کہتے ہوئے جو بھی الٹا سیدھا کاغذ میسر آ گیا، اسی کو غنیمت سمجھ لیا۔ جب ان کے پہلے شعری مجموعے کی اشاعت

کا مرحلہ آیا تو سب سے بڑی دقت یہی تھی۔ تمام شاعری پرزوں پر تحریر تھی اور یہ پرزے بھی یکجا نہیں تھے۔ کچھ کہیں اور کچھ ایک پوٹلتھین میں۔ چنانچہ جب بھی ان سے بیاض طلب کی گئی تو انھوں نے پوٹلتھین کی وہی تھیلی پیش کردی، جس میں پرزوں پر لکھی ہوئی شاعری موجود تھی۔ پرزوں پر لکھی ہوئی شاعری کا ایک نتیجہ تو یہ ہوا کہ کافی تعداد میں غزلیں گم ہوگئیں۔

شہپر رسول کی طبعی بے نیازی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ 'صدف سمندر' میں صرف شاعری ہے۔ نثر کے طور پر ان کا اپنا لکھا ہوا ڈیڑھ صفحے کا پیش لفظ ہے۔ حالانکہ جب کسی شاعر کا پہلا مجموعہ شائع ہوتا ہے تو خود کو ثابت کرنے کے لیے وہ کئی بڑے لوگوں کی رائے اس میں شامل کرتا ہے۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ شہپر رسول کی شاعری پر کسی نے اظہار خیال نہیں کیا تھا۔ ان کے استاد پروفیسر عنوان چشتی نے جو خود شاعری کا ایک بڑا عنوان تھے، 'صدف سمندر' کے لیے پیش لفظ کے طور پر ایک پر مغز مقالہ تحریر کیا تھا۔ اس سے بڑھ کر سعادت کیا ہوسکتی تھی کہ استاد نے اپنے شاگرد کی تعریف میں قلم اٹھایا، لیکن شہپر رسول نے کتاب کی ضخامت بڑھنے کے خوف سے اسے 'صدف سمندر' میں شامل کرنے سے گریز کیا۔ یہ دراصل ان کے طبعی استغنا اور خود اعتمادی کا مظہر تھا۔ شہپر رسول کی جو خوبی مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے، وہ ان کی یہی قناعت پسندی ہے۔ یہ لفظ شاید شاعری کے اعتبار سے موزوں نہ ہو، لیکن جو لوگ قناعت کی زندگی بسر کرتے ہیں، انھیں دنیاوی فائدے اور بیساکھیاں کبھی راس نہیں آتیں۔ وہ نہ شہرت کا تعاقب کرتے ہیں اور نہ ہی دولت انھیں لیے لیے پھرتی ہے۔ بقول خود:

نہ شاعری کی ہوس ہے نہ فکر شہرت و نام
سو ہم نے سوچا بہت ہے مگر کہا کم ہے

حقیقت بھی یہی ہے کہ انھوں نے شاعری کے میدان میں مقدار کے مقابلے ہمیشہ معیار کو ترجیح دی اور شہرت حاصل کرنے کے لیے کبھی کوئی 'تگڑم' نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ شہرت ان کا تعاقب کرتی ہوئی ان کے گھر چلی آئی۔ انھوں نے جس وقار کے ساتھ اپنا شعری اور شخصی سفر مکمل کیا ہے، اس معیار کا خیال ہمارے عہد کے بیشتر شعراء نہیں رکھتے۔ مشاعروں میں شرکت کے لیے سفارشیں کرانا اور اپنا معاوضہ بڑھوانے کی تگ و دو کرنا آج کے شاعروں کی عام شناخت ہے، لیکن شہپر رسول نے آج تک نہ تو کوئی سفارشی مشاعرہ پڑھا اور نہ ہی معاوضہ کی فکر کی۔ انھوں نے چاپلوسی یا کاسہ لیسی کو بھی کبھی منہ نہیں لگایا اور نہ ہی قصیدہ خوانی کا در کھولا۔ ان کی شخصیت ایسے عیوب سے پاک ہے جن میں ہمارے بہت سے شاعر گردن تک ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کا مطالعہ اور مشاہدہ دونوں وسیع ہیں۔ پروفیسر الطاف احمد اعظمی کے لفظوں میں:

"شہپر رسول نے اپنے عہد کا بڑی باریک بینی سے مشاہدہ کیا ہے۔ خود غرضی، بے وفائی، بغض و حسد، انا پرستی اور شہرت و نام کی ہوس جیسے معائب اس دور کی شناخت بن چکے ہیں۔ تقریباً ہر دل میں خود غرضی اس طرح گھر کر چکی ہے کہ اپنے اور پرائے اور دوست اور دشمن میں تمیز باقی نہیں رہی، اخلاق و محبت قصہ پارینہ بن چکے ہیں۔ حسد کی وہ گرم بازاری کہ ہر شخص دوسرے کے گھر کا چراغ بجھا دینے کے درپے ہے۔ شہپر رسول کے کئی اشعار میں اس بے ضمیری اور تیرہ دلی کا ذکر بڑے درد و کرب سے ہوا ہے۔ یہاں صرف دو شعر ملاحظہ ہوں:

بس ذرا سا عکس ہی ابھرا تھا صفوں سے باہر
ایک ہنگامہ کوتاہ قداں شہر میں ہے

ہلاک ہوگیا آکر خود اپنے لشکر میں
وہ دشمنوں کی صفوں کو تو چیر آیا تھا
(’رنگ رنگ شہپر‘ ص 101)

ابھی کچھ ہی دنوں کی تو بات ہے کہ عادل حیات نے ’رنگ رنگ شہپر‘ کی صورت گری کی تھی۔ 576 صفحات کے اس مجموعہ میں اگر چہ سرورق پر شہپر رسول کی تصویر کو آرٹسٹ نے دھندلا کر کے پس منظر میں پہنچا دیا ہے، لیکن اس مجموعہ مضامین سے ان کی شخصیت اور شاعری کے جتنے منظر ابھرتے ہیں، اتنے شاید ہی کسی اور کاوش سے ابھرتے ہوں۔ کون ہے جس نے اس پیش کش میں شہپر کی شعری کاوشوں کو خراج تحسین نہ پیش کیا ہو۔ علیم اللہ حالی لکھتے ہیں:

’’شہپر رسول کی شاعری ان کے منفرد لہجے کی تفہیم کے بغیر ہماری دسترس میں نہیں آسکتی۔ یہاں تمام ترنیم گفتنی اور فکر کی دروں نشینی ہمیں تفہیم کے لیے نئے زاویہ نظر کی دعوت دیتی ہے۔ ان کی شاعری میں انائے ذات کی خصوصیت ہے جو خودداری، خود آگہی اور عرفان کی ملی جلی کیفیات پیدا کرتی ہے۔ ان کے مندرجہ ذیل اشعار ہم عصر غزلیہ شاعری میں لائق اقتباس بھی ہیں اور معنوی تہہ داری کی مثال بھی۔

اس سے پہلے کہ انا میری اڑاتی مجھ کو
خاک مٹھی میں بھری اور اڑادی میں نے

میں نے بھی دیکھنے کی حد کردی
وہ بھی تصویر سے نکل آیا

مجھے بھی لمحہ ہجرت نے کردیا تقسیم
نگاہ گھر کی طرف ہے قدم سفر کی طرف

میں ایک جست میں دشت انا سے باہر تھا
پھر اس کے بعد بہت دور تک سمندر تھا

شہپر رسول کا وطنی تعلق پھپھراؤں جیسے مردم خیز خطے سے ہے، جہاں وہ 17/ اکتوبر 1956 کو پیدا ہوئے۔ وہی پھپھراؤں جہاں حامد حسن قادری، پروفیسر خواجہ احمد فاروقی، عزیز وارثی، طاہر فاروقی، نصیر الدین شاداں اور خواب افلاکی جیسے سخن وروں نے آنکھیں کھولیں۔ نام تو اور بھی ہیں، لیکن ان چند ناموں پر اکتفا کرتا ہوں۔ شہپر رسول اسی سلسلے کی ایک مضبوط کڑی ہیں اور شاعری میں کمال حاصل کرنے کے باوجود ان کے پاؤں زمین پر ہیں۔

شہپر رسول کا اصل نام جودھری وجیہ الدین ہے۔ انھوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی اے (آنرز) اور ایم اے (اردو) کرنے کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ (دہلی) سے پروفیسر عنوان چشتی کی نگرانی میں ’اردو غزل میں پیکر تراشی‘ کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی اور 1992 میں شعبہ اردو میں گیسٹ لیکچرر کے طور پر کیریر شروع کیا اور یہیں سے صدر شعبہ کے طور پر 2021 میں سبکدوش ہوگئے۔ انھیں تیسری بار دہلی اردو اکیڈمی کا وائس چیئرمین بنایا گیا ہے۔ شاعری کے علاوہ انھوں نے نثر میں بھی کمال دکھایا اور درجنوں مقالے تحریر کیے۔ ان کے مضامین کا مجموعہ ’معنی و معنی‘ بھی منظر عام پر آچکا ہے۔ ان کی نثر بھی شاعری کی طرح خاصے کی چیز ہے۔ ان کا ادبی سفر کامیابی اور وقار کے ساتھ جاری ہے۔ خدا انھیں تادیر سلامت رکھے۔

☆☆☆

ڈاکٹر ناظر حسین خان۔شعبۂ اردو کرائسٹ چرچ کالج دی مال، کانپور (یوپی)

پری ناز اور پرندے-ایک تنقیدی مطالعہ (چھٹی قسط)

ایک ہزار روپئے کا خرچ

'پری ناز اور پرندے' کی گفتگو کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے ایک اور اہم سوال ایک ہزار روپئے کے خرچ کا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ملاحظہ کرتے ہیں کہ اس ایک ہزار روپئے کا قصہ کیا ہے۔

راوی اور قصہ لکھنے والے کی ابھی تک صرف دو ملاقاتیں ہوئی ہیں اور ان دونوں ملاقاتوں میں قصہ لکھنے والا راوی اور فرش آرا کو کالے خان کا قصہ بتانے میں مشغول رہتا ہے اور ان کی مشغولیت اس قدر رہتی ہے کہ انہیں اپنی طبیعت کا بھی خیال نہیں رہتا، ان کے اندر اس قدر سرور چڑھ جاتا ہے کہ وہ زبان جس میں بڑھاپے اور طبیعت خراب کی وجہ سے لکنت تھی وہ بھی دور ہو جاتی ہے اور اسی درمیان قصہ لکھنے والا فرش آرا کی آنکھوں میں بھی دیکھ لیتا ہے اور دیکھ کر یہ بھی سمجھ جاتا ہے کہ راوی اور فرش آرا کی ایک دوسرے سے شادی ہو جانی چاہیے اور اس بات کو وہ راوی سے اپنی تیسری ملاقات میں جب وہ اکیلے قصہ لکھنے والے سے ملنے جاتا ہے کہہ دیتا ہے:

"تم نے فرش آرا کی آنکھیں غور سے دیکھیں ہیں؟"
"نہیں ہم دونوں ایک دوسرے سے نظر ملا کر بہت کم بات کرتے ہیں۔"
"اس کی آنکھوں میں ویرانی ہے۔" یہ کہہ کر صاحب نے کہا: "تم اس کی ویرانی کو نہیں دیکھ سکو گے۔ اسے دیکھنے والی آنکھیں ایک عمر کے بعد ملتی ہیں۔ اس ویرانی میں وہ بس تمہیں دیکھتی ہے کسی اور کو نہیں۔"
ص۔۲۶۷

اس کے بعد وہ شادی کے لیے راوی کی مالی مدد بھی کرتے ہیں:

"اس میں سے ایک ہزار انہیں دے دو۔" انہوں نے بہو صاحب سے کہا۔ پھر بولے: "میں چاہتا ہوں فلک آرا کی زندگی میں فرش آرا کے ہاتھ پیلے ہو جائیں۔" ص۔۲۶۸

سنہ ۱۹۰۰ کے درمیان میں ایک ہزار روپے کی اہمیت آج کی تاریخ میں کیا تھی اس پر بات بعد میں کریں گے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ ان ایک ہزار روپیوں کا کیا ہوا۔ یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

""ہاں۔ شام کو وہاں سے اس طرف آؤں گا اور یہاں آکر اپنے گھر جاؤں گا۔" یہ کہہ کر میں نے وہ رقم جو صاحب نے مجھے دی تھی اپنی جیب سے نکالی اور فرش آرا کو دیتے ہوئے کہا:
"یہ روپئے مجھے صاحب نے دیئے ہیں، انہیں اپنے پاس رکھیے۔ جب ان کے خرچ ہونے کا وقت آئے گا تو بتا دوں گا۔" فرش آرا نے کچھ پوچھے بغیر تھوڑے سے تامل کے بعد وہ روپئے میرے دیئے ہوئے زعفرانی دوپٹے میں جسے وہ ہر وقت اوڑھے رہتی تھیں باندھ لیے۔"" ص۔۲۷۳

راوی نے وہ روپے فرش آرا کو رکھنے کے لیے دیئے اور ساتھ میں یہ بھی کہا کہ 'جب ان کے خرچ ہونے کا وقت آئے گا تو بتا دوں گا'۔ اب تقریباً تین برس تک یہ روپے فرش آرا کے پاس ویسے ہی رکھے رہتے ہیں اور پھر قصہ لکھنے والے کی موت کے بعد اس کے پنجم کے دن کا واقعہ ملاحظہ فرمائیے:

''آج صاحب کی موت کا پانچواں دن ہے۔ ہم یہاں کربلا میں ہیں اور کسی امام باڑے میں ان کے پنجم کی مجلس ہو رہی ہوگی۔ شام کو اُن کے گھر والے اُن کی قبر پر آئیں گے۔ یہ کہہ کر فرش آرا مجھے صاحب کی قبر کی طرف لے چلیں۔'' ص۔۲۸۵

وہاں پہنچ کر راوی دیکھتا ہے کہ:

''وہاں پہنچ کر جب میں نے قبر دیکھی تو حیران رہ گیا۔ قبر کو پون ہاتھ اونچا کر کے پکا بنا دیا گیا تھا اور چاروں طرف بہت عمدہ سفید پتھر لگا دیے گئے تھے اور اس کے اوپری حصے پر خوب صورت حاشیوں والی سنگِ مرمر کی ایک محراب دار لوح لگا کر اس پر بہت خوب صورت سیاہ حروف میں یہ عبارت لکھ دی گئی تھی:

''یہاں طاؤس چمن کا قصہ لکھنے والا دفن ہے۔ روداد اس قصہ لکھنے والے کی یہ ہے کہ اس نے بہت قصے لکھے اور سب قصے اس کے سب نے اول تا آخر پڑھے اور چار دانگِ عالم میں اس کی شہرت ہوئی اور جو قصہ اس نے سلطانِ عالم کے طاؤس چمن کا اسی فلک آرا کے حال میں لکھا وہ سب کو سب سے زیادہ پسند آیا اور یہ قصہ اس کے سب قصوں میں سب سے اوپر ہے۔ اسی فلک آرا اور اس کا قصہ لکھنے والا دونوں اس قصے کی بدولت مرے نہیں زندہ ہیں۔''

ص۔۲۸۵۔۲۸۶

یہ سب دیکھ کر راوی کو حیرت ہوتی ہے، فرش آرا اس کی حیرت کو سمجھ کر جواب دیتی ہیں:

''جس دن میں آپ کو گھر پر چھوڑ کر نکلی تھی اس دن، دن بھر اسی کام میں لگی رہی۔ پتھرا اپنے سامنے بیٹھ کر لکھوایا اور پیسے دے کر پتھر لکھنے والے سے کہہ دیا کہ وہی دو دن کے اندر قبر بھی پکی بنوا دے اور اس کے چاروں طرف پتھر جڑوا دے اور سیاہ حرفوں میں لکھا ہوا پتھر قبر کے اوپر لگوا دے۔'' ص۔۲۸۶

راوی غالباً ان ایک ہزار روپیوں کو بھول چکا تھا، ممکن بھی ہے تقریباً تین برس گزر بھی چکے تھے، اسی لیے اس نے سوال کیا:

''لیکن ایسی قبر بنوانے کے پیسے کہاں سے آئے آپ کے پاس؟'' ص۔۲۸۶

فرش آرا جواب دیتی ہیں:

''وہیں سے جہاں کے رہنے والے کی یہ قبر ہے۔ ان کے دیے ہوئے جو پیسے آپ نے میرے پاس رکھوائے تھے سب اسی قبر کے بنوانے میں خرچ ہوئے۔'' ص۔۲۸۶

فرش آرا کے قول سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک ہزار روپئے آج تک ویسے ہی رکھے ہوئے تھے:

''یاد کیجیے پیسے دیتے وقت آپ نے کہا تھا جب اِن کے خرچ ہونے کا وقت آئے گا تو بتا دیں گے۔'' پھر بولیں: ''یہی وقت تھا اُن پیسوں کے خرچ ہونے کا۔'' ص۔۲۸۶

یہ تو قابل قبول ہے کہ ایک ہزار روپئے کی امانت میں خیانت نہیں ہوئی ہوگی مگر یہ نا قابل قبول ہے کہ اس ایک ہزار جیسی بڑی رقم میں (خود راوی بھی اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ جسے گزشتہ لائینوں میں کوڈ کیا گیا ہے) صرف اور صرف قبر کو پون ہاتھ اونچا کر کے پکا بنوانے اور چاروں طرف عمدہ سفید پتھر لگا کر اس کے اوپری حصے پر سنگ مرمر کی ایک محراب دار لوح لگا کر خوب صورت الفاظ میں گزشتہ اقوال کو لکھوانے میں خرچ ہو گئے ہوں گے۔ اُس وقت کے ایک ہزار روپئے کی اگر آج کے وقت میں دیکھا جائے تو کم سے کم بھی اس کی قیمت قریب قریب کروڑ میں ہوگی۔ اگر کروڑ نہیں تو پچاس لاکھ کی قیمت ہونی ہی ہے۔ اگر اس کی قیمت کم سے کم ایک لاکھ بھی تسلیم کر لی جائے تب بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا آج کی تاریخ میں یہ کام ایک لاکھ روپئے کا ہے؟ ان باتوں کی روشنی میں یہ بات گلے نہیں اترتی کہ اس معمولی سے کام میں پورے ایک ہزار روپئے خرچ ہو گئے ہوں گے۔ اسے دیکھ کر یہ رائے قائم کی جا سکتی ہے کہ ان ایک ہزار روپیوں سے جتنا کام لینا تھا وہ نکل گیا اب ان ایک ہزار روپیوں کی مزید اس ناول میں کوئی ضرورت نہیں تھی کیوں کہ راوی کی اچھی ملازمت لگ چکی ہے شادی بھی فرش آرا سے ہو چکی ہے ،وہ فرش آرا کے گھر میں رہ بھی رہا ہے ایک بچی بھی ہے اس لیے ناول نگار نے اپنے دیگر کرداروں کی طرح کام نکل جانے کے بعد اس ایک ہزار روپئے کا کام بھی اس معمولی کام میں تمام کر دیا یا پھر واقعی اس دور میں بہت مہنگائی رہی ہوگی۔

ناول کی دیگر تکنیکی خرابیاں:

الف:

ویسے تو پروفیسر انیس اشفاق نے اس ناول کی تخلیق میں بلا شبہ بہت محنت کی ہے اور ماشاء اللہ وہ اپنی محنت میں بہت حد تک کامیاب بھی ہوئے ہیں مگر کہیں کہیں اس ناول میں تکنیکی خرابیاں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ابھی تک ہم نے دیکھا کہ کیسے ناول نگار نے دو کرداروں کی دوستی کرانے میں، کہانی کو آگے بڑھانے کے لیے الفاظ کو پیدا کرنے میں، کرشمائی طور پر طبیعت کو درست کر دینے میں یا اس طرح کی دیگر جلد بازی دکھائی ہے جس سے ناول میں ایک طرح کا جھول پیدا ہو گیا ہے۔ اس سلسلے کی اگلی کڑی مصنف کی باتوں میں تضاد کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس زمرے میں ہم دیکھیں گے کہ کیسے ایک کردار 'بابا' کے قول کو پورا کرنے کے لیے ناول نگار نے جادوئی طریقے سے کام لیا ہے۔ جس وقت راوی کے ذریعے بابا کو پتا چلتا ہے کہ فرش آرا اپنے گھر میں طاؤس چمن کی طرح چھوٹا پنجرہ بنا رہی ہے اور اس میں اسی کی طرح ۴۰ مینائیں رکھے گی اس وقت بابا ان میناؤں کا ملنا مشکل بتانے لگے۔ راوی کہتا ہے:

""لیکن یہ بھی کہہ رہی تھیں کہ پنجرے میں ہم اتنی ہی مینائیں رکھیں گے جتنی طاؤس چمن میں تھیں۔""

""چالیس؟""

""جی۔ میں نے کہا اتنی مینائیں آئیں گی کہاں سے تو بولیں کچھ ہمارے یہاں ہیں، کچھ رام دین سے مل جائیں گی اور کچھ بابا لے آئیں گے۔""

بابا فرماتے ہیں:

""آغا مینا جیسی طاؤس چمن میں تھی آسانی سے نہیں ملے گی۔ داروغہ صاحب سلطانی پسند سے واقف تھے اس لیے وہ مینائیں دور دور سے منگوائی تھیں۔ سیاہ ،چمکدار۔ چونچیں اور پنجے پیلے اور بھنوؤں پر زرد پھوٹے۔ ایسی خوش نما کہ دیکھتے رہ جاؤ۔"" بابا نے کہا

۔ پھر بولے: ''اس جنگل میں تمہیں ساری چڑیاں ملیں گی لیکن آغا مینا کہیں نہیں دکھائی دے گی۔''

''کیوں؟''

''اِس طرف نہیں آتی۔ بھولے بھٹکے چلی آئے تو چلی آئے۔لیکن بیٹا فرش آرا کے لیے میں جتنی لا سکتا ہوں لاؤں گا۔ چڑیا پکڑنے والے۔۔۔اگر میں ان سے کہوں گا تو کہیں نہ کہیں سے پکڑ لائیں گے اور ویسی ہی لائیں گے جیسی طاؤس چمن میں تھیں۔لیکن۔۔۔'' ص ۱۷۵۔۱۷۶

لیکن بابا تو جانتے تھے کہ یہ مینائیں بہت مہنگی ہوتی ہیں اور یہاں ایک یا دو نہیں بلکہ پورے ۴۰ میناؤں کا انتظام کرنا تھا جو کہ آسان نہیں تھا۔ چڑیا پکڑنے والوں کو پورا پیسا دینا تو دور دینے کو آدھے پیسے بھی نہیں تھے:

''کچھ نہ کچھ تو انہیں دینا ہوگا۔اور یہاں۔۔۔جیب بالکل خالی ہے۔اتنی مینائیں چڑی ماروں نے رعایت کی بھی تب بھی بہت پیسوں کی ہوں گی۔''ص ۱۷۶

بابا کو اس بات کا احساس ہے اور ناول نگار کو بھی ،مگر ناول نگار کو قاری کو یہ بتانا مقصود ہے کہ مینائیں بہت مہنگی ہوتی ہیں مگر انتظام بھی تو کروانا ہے اس لیے اس کی سبیل بھی نکالنی شروع کر دی۔ جب بابا راوی کے ساتھ جنگل کی طرف جاتے ہیں اس وقت بابا کی ملاقات ایک نہیں بلکہ کئی لکڑہاروں اور چڑی ماروں سے کروائی گئی ہے اور انہیں لکڑہاروں اور چڑی ماروں کے ذریعے میناؤں کے انتظام کا یہ راستہ نکالا گیا ہے:

''لکڑہارے کے درخت پر چڑھتے ہی بابا نے جال ہاتھوں میں لیے چڑی ماروں سے کہا:

''اس جنگل میں تم نے اپنے لیے چڑیا بہت پکڑی اور پکڑی ہوئی چڑیا کے بارے میں جو تم نہیں جانتے تھے وہ میں نے تمہیں بتایا۔اب تمہیں ایک کام کرنا ہے۔''

''وہ کیا؟'' چڑیا پکڑنے والے ایک ساتھ بولے۔

''اب تمہیں ایک چڑیا جب بھی وہ تمہیں نظر آئے ،میرے لیے پکڑنا ہے۔'''' ص ۱۷۷۔۱۷۸

چڑی مار بھی جانتے تھے کہ یہاں پہاڑی مینا کا ملنا آسان نہیں ہے،لیکن انتظام تو کرنا ہی ہے تو راستہ بھی ناول نگار کو ہی نکالنا تھا:

''لیکن بابا وہ چڑیا ادھر آتی کہاں ہے۔سال میں ایک دو نکل آئیں تو نکل آئیں۔۔۔جیسی مینائیں آپ کو چاہیے ویسی ملنا مشکل ہیں۔اور بہت سی ملنا بہت ہی مشکل ہیں'' ص ۱۷۸

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان میناؤں کا ملنا اتنا مشکل اور مہنگا کیوں دکھایا گیا ہے۔جواب یہ ہے کہ اصل میں یہ مینائیں نیر مسعود صاحب کی ہیں اور نیر مسعود صاحب نے اس میناؤں کی تخلیق بادشاہ کے لیے کی تھی۔اب چوں کہ بادشاہی پسند کا معاملہ ہے ان کی ہر چیز نایاب ہوتی ہے، پرندے تو پھر بھی شوق کے لیے تھے تو ان کا نایاب ہونا فطری ہے۔ چوں کہ انیس اشفاق صاحب نیر صاحب کی میناؤں کی کہانی کو ہی آگے بڑھا رہے ہیں، اپنی کہانی میں توازن لانے کے لیے اپنے کرداروں کی خاطر اسی طرح کی مینائیں یہاں بھی حاضر کرائی ہے، اس لیے ان میناؤں کی تلاش میں اتنی دشواری کا سامنا ہے۔اور اسی زود گوئی میں ناول نگار میناؤں کے انتظام میں جلد بازی دکھا رہے ہیں۔

ایک چڑی مار ان سے بولا:

''یہاں جتنی ہمارے جال میں آئیں گی سب آپ کی
۔اور جتنی آپ کو چاہیے، اتنی نہیں ملیں تو ہم ادھر نواب
گنج والے جنگل سے منگوالیں گے۔ وہاں چڑیا پکڑنے
والے ہمارے ناتی دار ہیں۔'' یہ کہہ کر بولا: ''وہاں ہر
رنگ کی چڑیا آتی ہے اور بہت آتی ہے۔'' ص۔۱۷۸

اور بہت ہی خوب صورت طریقے سے چڑی ماروں کے ذریعے میناؤں کا ملنا یقینی بنایا گیا ہے۔ بلکہ ایک مزید راستہ نواب گنج کا بھی نکالا گیا ہے کہ قاری کو ۴۰ میاؤں کا ملنا کہیں سے بھی ناممکن نہ لگے۔

''تو اب سے ہر پہاڑی مینا ہماری۔'' بابا بولے۔
''سولہ آنے۔ زمین کسی کی ہو جنگل آپ کا ہے۔
سب چڑیاں اور سارے پیڑ آپ کی جمہانی میں
ہیں۔'' ص۔۱۷۸

۴۰ پہاڑی میناؤں کا انتظام صرف یہ چڑی مار ہی کر سکتے ہیں اس لیے اس بات کو اور بھی یقینی بنانے کے لیے یہ قول بار بار کہلوایا گیا ہے تا کہ قاری کو کہیں سے بھی میناؤں کے ملنے میں شبہ نہ رہے:

''باتیں کرتے کرتے ہم اس طرف آنکلے جہاں
کچھ کچھ دور پر بیٹھے چڑی مار اپنے جال بچھائے اُن
میں چڑیوں کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ انہیں
دیکھ کر بابا نے ایک بار پھر انہیں یاد دلایا:
''اب کی آغا مینا ہماری۔''
''ہاں بابا آپ کی ۔ بار بار مت کہیے ۔ اِدھر وہ
ہمارے جال میں آئی اُدھر ارجن ملاح کے
جھونپڑے میں پہنچی۔'' ص۔۱۸۳
''اجالا غائب ہو چکا تھا اور باتیں کرتے ہوئے ہم
جنگل سے باہر نکل آئے تھے۔ چڑی مار بھی جال
سمیٹ کر پکڑی ہوئی چڑیوں کے ساتھ بابا کے پیچھے
پیچھے آرہے تھے ۔ باہر آکر اُن سب نے بابا کو
الوداعی سلام کرتے ہوئے کہا: ''اب سے ہر آغا مینا
آپ کی۔'' ص۔۱۸۵

بابا بھی اس بات کو بھولے نہیں ہیں کہ ۴۰ میناؤں کا انتظام کوئی معمولی بات نہیں ہے اس لیے ناول کے درمیان میں بھی اس کی فکر بابا کو ہے:

''کل سے میں جنگل میں رہوں گا۔ جب تک چڑی
ماروں کے پیچھے نہیں پڑوں گا آغا مینائیں نہیں ملیں
گی۔ چالیس میناؤں کا ملنا آسان نہیں ہے۔'' یہ کہہ
کر بابا نے کہا: ''نہیں ملیں تو فرش آرا مجھے معاف
نہیں کرے گی۔'' ص۔۲۳۳

ابھی تک ان کو ۴۰ میناؤں کا انتظام کرنا ہے یہی معلوم ہے۔ اس کے بعد یہ پتا چلتا ہے کہ ۱۵ مینائیں فرش آرا کے گھر پر ہیں ، ۴۰ پورا کرنے کے لیے انہیں ۲۵ مینائیں اور چاہئے۔ اور حیرت ہے کہ ۲۵ میناؤں کا انتظام ان چڑی ماروں اور مصنف کے ذریعے نکالے گئے سبیل یعنی کہ چڑی ماروں کے ناتی داروں کے ذریعے ہو ہی جاتا ہے:

''دو دن بعد میں دریا پر گیا تو ارجن ملاح مجھے دیکھتے ہی بولا:
''تم جس دن آئے تھے بابا اسی دن چڑیا لے آئے
تھے۔ وہ دیکھو اُدھر۔ پانچ پنجرے رکھے ہیں۔'' اس
نے جھونپڑی کے ایک کونے کی طرف اشارہ کرتے
ہوئے کہا۔ ''ہر پنجرے میں پانچ مینائیں ہیں۔ دو دن
سے میں انہیں دانہ پانی دے رہا ہوں۔'' ص۔۲۵۷

فرش آرا کے لیے کل ۴۰ میناؤں کا انتظام ہو گیا۔ مگر

تصور

پروفیسر مظفر شہ میری

(پیکری نظم)

سڑک کے کنارے
لہو میں تربہ ترلاش کے پاس کھڑے ہو کر
قاتل یہ سوچ رہا ہے:
''میں نے کسے قتل کیا ہے؟
اِس آدمی کو
یا اِس کے اُس تصور کو
جو پچھلے کچھ مہینوں سے
میرے ذہن ودل میں پل رہا تھا۔''

بہت ہی کرشمائی طریقے سے ناول نگار نے اس کا انتظام کروایا ہے۔ اس انتظام سے راقم سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ کیا واقعی اتنی جلدی ۲۵ پہاڑی میناؤں کا ملنا اتنا آسان تھا۔ کیوں کہ یہ پرندے مہنگے آتے ہیں جس کا ذکر رام دین یوں کرتا ہے:

''مینا اصلی ہے اس لیے بہت مہنگی ہے۔۔۔'' ص۔۳۲

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ۲۵ پہاڑی مینائیں ان چڑی ماروں کو مل گئیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ ایک یا دو نہیں بلکہ پورے ۲۵ پہاڑی مینائیں ان چڑی ماروں نے بابا کو یوں ہی مفت میں دے دی ہوں گی۔ ایسا قطعی نہیں ہوسکتا۔ یہاں پر ناول کے خوش گوار اختتام کے لیے ہی صرف اس طرح کے خاتمے کو ناول نگار کے ذریعے دکھایا گیا ہے، کیوں کہ ناول نگار اپنی کہانی میں خوش گوار اختتام کا قائل ہے۔ ان میناؤں کو اتنی آسانی سے بابا تک پہنچانا ایک کمزور پلاٹ کی نشان دہی کرتا ہے۔

ڈاکٹر مقیم نادر جامعی۔ ممبئی

غزل

کس قدر خوش پسند ہیں ہم لوگ
اصل میں درد مند ہیں ہم لوگ

آج بھی ہم پہ ٹوٹتے ہیں ستم
آج بھی سربلند ہیں ہم لوگ

عصر حاضر کی آبرو کی قسم
روشنی کی کمند ہیں ہم لوگ

خواب رنگیں دکھایئے نہ ہمیں
ہاں حقیقت پسند ہیں ہم لوگ

آپ اور التفات کی باتیں
آشنائے گزند ہیں ہم لوگ

یہ کرشمہ ہے خاکساری کا
ورنہ خاک ارجمند ہیں ہم لوگ

اپنے لٹنے کی بھی خبر نہ ہوئی
کتنے راحت پسند ہیں ہم لوگ

چاہتوں کے طفیل ہی نادر
غم کی مٹھی میں بند ہیں ہم لوگ

ایس۔ایم۔عارف حسین۔اعزازی خادم تعلیمات،مشیرآباد،حیدرآباد(عارضی مقیم ریاض،سعودی عرب)

''بیویاں اور اولاد آنکھوں کی ٹھنڈک کا سبب''

اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کو ٹھنڈک عطا فرمایئے اور ہمیں متقی لوگوں کا امام بنایئے۔(سورۃ الفرقان)

اللہ تعالی نے انسان کو اپنی تمام مخلوقات میں اعلی مقام عطا کیا نتیجہ میں اسکو''اشرف المخلوقات'' کا مقام حاصل ہوا،ساتھ ہی ساتھ انسان کو ایک دوسرے سے محبت کرنیکی نعمت سے بھی نوازا۔اسی کا نتیجہ ہے کہ انسان آپسی خونی رشتہ کے علاوہ مختلف علاقہ- رنگ- برادری و مذہب سے وابستہ اور مختلف زبانوں کے بولنے والوے انسانوں کے درمیان محبت پائی جاتی ہے جو''ایک فطری دین'' ہے۔

جہاں تک خونی رشتہ کا تعلق ہے انسان اپنے ماں باپ -بھائی بہن-بیٹا بیٹی -پوتا پوتی-نواسہ نواسی کے ساتھ ساتھ اپنی بیوی اگرچہ کہ وہ خونی رشتہ نہیں رکھتی پر اس سے بے انتہا محبت کرتا ہے۔

انسان اپنی اولاد کی اچھی پرورش اور بہترین تربیت کے لیے جسمانی اور ذہنی تکالیف کا سامنا کرتا ہے تا کہ اس کی اولاد معاشرہ میں باوقار و عزت دار بن کے ابھرے،یقیناً ایک تعلیم یافتہ اور بہترین تربیت یافتہ اولاد ماں-باپ کیلیئے نہ صرف '' آنکھوں کی ٹھنڈک'' کا باعث بنتی ہے بلکہ معاشرہ بھی ایسی اولاد اوران کے ماں باپ کو عزت کی نظر سے دیکھتا ہے۔

اچھی تعلیم و تربیت یافتہ اولاد جب اپنی نجی زندگی گذارنے کے ساتھ ہر قدم پر اپنے ماں- باپ کی معمولی سے معمولی جیسے پانی کا ایک گلاس ہی پیش کرنا- گھر سے جاتے آتے وقت انکا ہاتھ تھامنا- چپل و جوتے ان کے پیروں تک پہونچانا- سواری پر بیٹھنے اور اترنے کے وقت ہاتھوں کا سہارا دینا- کبھی ماں باپ کوئی سامان گھر لائیں تو اسکو اٹھا لینا وغیرہ۔جسمانی کمزوری جیسے چلنے پھرنے سے معزوری پر ان کے''فطری تقاضہ'' کو پورا کرنے کے لیے لیجانا لانا اور دھلوانا- اگر کسی مرض میں مبتلاء ہوں تو وقت پر دوائیاں دینا وغیرہ۔

اولاد کی جانب سے ماں باپ کی''معاشی خدمت''یعنی مالی تنگی میں خود ملازمت یا تجارت کرتے ہوے ماں-باپ کو تین وقت کی روٹی اور دیگر ضروریات کا انتظام کرنا- خدانخواستہ قرضدار ہوں تو انکا قرض ادا کرنا-خدانخواستہ خدانخواستہ کوئی شخص والدین کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آے یا ہاتھا پائی پہ اتر آے تب اپنی جان- مال و اولاد کی پرواہ کیئے بغیر سامنے والے سے مقابلہ کر کے مدافعت کرنا وغیرہ۔

یا خدا میرے بچے سلامت رہیں
یہ سلامت رہیں با کرامت رہیں

یہاں یہ کہا جاے تو بیجا نہ ہوگا کہ ماں- باپ اور شوہر کی''جسمانی خدمات'' ان مالی سہولیات کے پہونچانے سے کہیں زیادہ اہمیت کی حامل ہوتی ہیں بلکہ یہی خدمات ماں باپ اور شوہر کے لیے'' آنکھوں کی ٹھنڈک'' کا سبب ہونگیں جسکے حصول کے لیے''قرآن مجید'' میں''خصوصی دعا'' کا ذکر

ہے۔ یہ بھی ایک چھپی حقیقت ہے کہ جب اولاد اور بیوی کے اچھے برتاؤ و خدمت کی وجہ سے ''آنکھوں کو ٹھنڈک'' میسر ہوتی ہے تب انسان یعنی ماں- باپ اور شوہر کی آنکھوں سے ''بے ساختہ آنسوں'' بہتے ہیں جو احساس خوشی اور اللہ تعالی کے شکر گذار ہونیکا کھلا ثبوت ہوتے ہیں اور یقیناً یہ آنسوں اللہ تعالی تک راست پہونچتے اور اللہ تعالی کو خوش کرنیکا سبب بھی ہوتے ہیں۔

اسی طرح ''ایک بیوی'' کی اپنے شوہر کی رات دن معمولی سے معمولی خدمت جیسے تین وقت کا پکوان اور ہر ضرورت کی چیز کا پیش کرنا اور شوہر کے جائیز و ناجائز غصہ و نا قابل قبول گفتگو کو برداشت کرتے ہوے اپنے شوہر کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنے کے ساتھ ساتھ صحت کا خیال کیے بغیر ''فطری تقاضہ'' کو پورا کرنا بھی بلاشبہ ''اپنے شوہر کی آنکھوں کی ٹھنڈک'' کا سبب ہوتے ہیں جسکے حصول کے لیے بھی دعا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام یعنی قرآن کریم میں ذکر کیا ہے۔

مذکورہ بالا جسمانی و مالی خدمات کے علاوہ جب بھی ماں باپ اور شوہر کی اپنی اولاد اور بیوی پر نظر پڑتی ہے تب بھی انکی آنکھوں کو حقیقی ٹھنڈک ملتی ہے جو بلا شبہ خوشی کا سبب بھی ہوتی ہے جو انسانی زندگی کے لیے ضروری ہے۔

آگے اس دعا میں ذکر ہے کہ ہمیں (ماں- باپ اور شوہر) کو متقیوں کا امام بنایئے۔ یہاں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اولاد اور بیوی نہ صرف آنکھوں کی ٹھنڈک کا سبب ہیں بلکہ متقیوں کے امام بننے کا سبب بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ دنیا کی ہر اولاد اور بیوی کو ان کے ماں باپ اور شوہر کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سبب بنائے۔ آمین۔

سید شاہ نواز ہاشمی۔ حیدرآباد دکن

غزل

وہ کیسے کیسے خیالوں کو پال لیتا ہے
تبھی تو جان کو جوکھم میں ڈال لیتا ہے

میں نام لیتا ہوں جب جب بھی میرے مولیٰ کا
مصیبتوں سے وہ مجھ کو نکال لیتا ہے

ملے گی اس کو بھی جنت یقین ہے مجھ کو
کسی یتیم کو گر کوئی پال لیتا ہے

یقین رکھتا ہوں بخشش کا میرے مولیٰ سے
''جناب سب کا مگر بال بال لیتا ہے''

وہی ہے دونوں جہانوں میں سرخرو بے شک
جو زندگانی کو سنت میں ڈھال لیتا ہے

زمانے بھر میں اسی کی ہے عزت و شہرت
جو اپنے عیبوں کو اکثر کھنگال لیتا ہے

بتا رہا ہے جو، ہے نور اس کے چہرے کا
ضرور ہاشمی رزق حلال لیتا ہے

نوشہ عبدالمنان اوران کے والد کو محمد دستگیر اکرم شو ورلڈ
اور ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی ایڈیٹر ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد
اور دیگر مبارکباد پیش کرتے ہوئے۔

DR. S.J HUSSAIN
MD (Unani)
Former director Incharge
Central Research Institute Of Unani Medicine
Govt of India

website: www.unanicentre.com
Email:syedjalilhussain@gmail.com
jaleel_hussain@yahoo.com

Dr. Jaleel's

یونانی سینٹر فار کارڈیک کیر

UNANI CENTER FOR CARDIAC

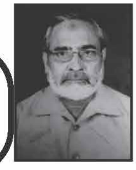

Consultation Time
Morning: 9:00 am to 2:00 pm
(Friday Morning and Sunday Evening Closed)

Cell:
+91 8142258088
+91 7093005707

Adress -: No: 8-1-332/3/B-69, RoadNo 1(A)Arvind Nagar Colony
Tolichowk Hyderabad - 500008 T.S India

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ، حیدرآباد

SHIBLI INTERNATIONAL
EDUCATIONAL & CHARITABLE TRUST

SIECT

Regd. No. 180/2016

مدرسہ و مسجد کے تعاون کی اپیل

حدیث نبوی ﷺ ہے خَیرُکُم مَن تَعَلَّم القُرآن وَعَلَّمَہ ۔تم میں بہترین انسان وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔اس حدیث سے علم اور قرآن علم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔اسی علم کی نشر واشاعت کے لئے **مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم** ۱۵؍جنوری ۲۰۱۷ء کو قائم کیا گیا تا کہ امت مسلمہ کے نونہالان زیور علم سے آراستہ ہوں اور ملک وملت کی خدمت میں وقف ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔آمین یارب العٰلمین۔

مدرسہ ہذا کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے۔جملہ اخراجات کی ادائیگی اہل خیر حضرات کے تعاون سے ہوتی ہے۔

الحمدللہ مدرسہ میں تعمیری کام بھی جاری ہے،اس وجہ سے اہل خیر حضرات سے گذارش ہے کہ مدرسہ کا نقد یا اشیاء کے ذریعہ تعاون فرما کر یا کسی طالب علم کی کفالت لیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔نوازش ہوگی۔

مسجد الٰہی

زیرانتظام شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ حیدرآباد کا تعمیری کام جاری ہے۔الحمدللہ ثم الحمدللہ ایک مخیرہ خاتون نے 126 گز اراضی ٹرسٹ ہذا کو مسجد کے لئے وقف کیا ہے، اللہ تعالیٰ مخیرہ کو دونوں جہاں میں بہترین بدلہ دے، آمین۔ مسجد الٰہی کی زمین مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم وادیٔ عمر شاہین نگر حیدرآباد کا (اقامتی وغیر اقامتی) ادارہ ہے، جو شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کے زیرانتظام 2017 سے خدمات انجام دے رہا ہے، بالکل اسی سے متصل ہے۔مدرسہ ہذا اور بستی کے لئے مسجد ناگزیر ہے، اس وجہ سے آپ تمام حضرات سے گزارش کی جاتی ہے کہ مسجد ہذا کے تعمیری کام میں نقد یا اشیاء کے ذریعہ معائنہ کر کے حصہ لے کر ثواب دارین حاصل کریں۔

جزاک اللہ خیرًا احسن الجزاء.

Bank Name : IDBI **A/c Number :** 1327104000065876

A/c Name : SHIBLI INTERNATIONAL EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST

IFSC Code : IBKL0001327. Branch: Charminar

G Pay & Phone Pay : 8317692718, WhatsApp: 9392533661

العارض: حافظ وقاری مفتی ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی خطیب مسجد عالیہ، بانی وناظم مدرسہ ہذا چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

SIECT

Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad

December 2024 دسمبر

RNI: TELURD/2018/77022
ISSN: 2581-9216

Rs. 20/-

ABDUL WAHED
PROPRIETOR
Cell: 98480 36940

For Orders : 90302 02018
86396 32178
89197 03547

KGN XLNT TEA
Rich Aroma, Refreshing Taste
PREMIUM QUALITY TEA

KGN
TEA SALES

UMBRELLA BRAND TEA
Rich Aroma, Refreshing Taste
GOLDEN QUALITY TEA

WHOLESALE & RETAIL TEA MERCHANT

S.No.: 22-1-114, Jambagh, Kali Khabar Main Road, Dar-ul-shifa, Hyderabad - 500 024, TS
Off.: 5-3-989, 104, First Floor, Sherza Estates, N.S. Road, M.J. Market, Hyderabad - 500 095
email: kgnteasales@gmail.com

Editor, Printer, Published & Owned by Mohd. Muhamid Hilal
Printed at Daira Electric Press, #22-8-143, Chatta Bazar, Hyderabad. 500 002.
Published at #17-3-352, B1, 2nd Floor, Bafana Complex, Dabeerpura, Hyderabad - 23, T.S
Cell: 9392533661, 8317692718, Email: muhamidhilal@gmail.com